ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

6

www.tanzeem.org

29 ربیع الثانی تا 5 جمادی الاوّل 1437ھ/9 تا 15 فروری 2016ء

اس شمارے میں

غلامی کی زنجیر توڑ ڈالیں

اللہ کی کبریائی اور انذارِ آخرت!

حقیقتوں کو چھپانے کی کاوشوں میں.....

کتنی خون ریزی اور ہوگی؟

ایمان کی عظمت

آج مسلمان زیرِ عتاب کیوں؟

دیس نہیں، پردیس

وفاقی شرعی عدالت کے سود کے حوالہ سے 14 سوال اور ان کے جوابات (8)

اندازِ مسلمانی؟

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ اسلام کی جو بات آسان ہے اُسے بڑی خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں، مگر جہاں کفر اور اسلام کا اصلی مقابلہ ہوتا ہے وہیں سے رخ بدل دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مدّعی اسلام لوگوں میں بھی یہ کمزوری موجود ہے۔ وہ اسلام، اسلام بہت پکاریں گے، اس کی تعریف کرتے کرتے ان کی زبان خشک ہو جائے گی، اس کے لئے کچھ نمائشی کام بھی کر دیں گے، مگر ان سے کہیے کہ یہ اسلام جس کی آپ اس قدر تعریفیں فرما رہے ہیں، آیئے ذرا اس کے قانون کو ہم خود اپنے اوپر جاری کریں تو وہ فوراً کہیں گے کہ اس میں فلاں مشکل ہے اور فلاں دقت ہے اور فی الحال تو اس کو بس رہنے ہی دیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک خوبصورت کھلونا ہے، اس کو بس طاق پر رکھیئے اور دور سے بیٹھ کر اس کی تعریفیں کئے جائیں، مگر اسے خود اپنی ذات پر اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں پر اور اپنے کاروبار اور معاملات پر ایک قانون کی حیثیت سے جاری کرنے کا نام تک نہ لیجئے۔ یہ ہمارے آج کل کے دینداروں کا حال ہے۔ اب دنیاداروں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ اب نمازوں میں وہ اثر ہے جو کبھی تھا، نہ روزوں میں ہے، نہ قرآن خوانی میں، نہ شریعت کی ظاہری پابندیوں میں۔ اس لئے کہ جب روح ہی موجود نہیں تو نرا بے جان جسم کیا کرامت دکھائے گا۔

ایمان کی کسوٹی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

الھدیٰ (692)

ڈاکٹر اسرار احمد

انکارِ رسالت

سُورۃ بَنِی اِسْرَاءِیل — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیات: 93, 94

اَوۡ یَکُوۡنَ لَکَ بَیۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا نَّقۡرَؤُہٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾

آیت ۹۳ ﴿اَوۡ یَکُوۡنَ لَکَ بَیۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ﴾ ’’یا آپؐ کے لیے سونے کا ایک محل (تعمیر) ہو جائے‘ یا آپؐ آسمان میں چڑھ جائیں‘‘

﴿وَ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا نَّقۡرَؤُہٗ ؕ﴾ ’’اور ہم آپؐ کے (آسمان میں) چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے یہاں تک کہ آپؐ اُتار لائیں ایک کتاب جسے ہم خود پڑھیں۔‘‘

ان لوگوں کے ان تمام مطالبات کے جواب میں صرف ایک بات فرمائی گئی:

﴿قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے‘ میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول۔‘‘

یعنی میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ میں بھی اسی طرح پیدا ہوا ہوں جس طرح تم سب لوگ پیدا ہوئے ہو۔ میں تمہاری ہی طرح کھاتا پیتا ہوں‘ دنیا کے کام کاج کرتا ہوں‘ بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں اور میں نے ہر سطح پر کاروبار بھی کیا ہے۔ میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اور میری سیرت اور اخلاق و کردار روزِ روشن کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ مجھ میں اور تم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے‘ اور اللہ کا وہ پیغام جو بذریعہ وحی مجھ تک پہنچتا ہے وہ میں تم لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہوں۔

اگرچہ سیرت و کردار اور مرتبہ رسالت و نبوت کے اعتبار سے عام انسانوں سے نبی اکرمﷺ کی کوئی مناسبت نہیں‘ مگر عام بشری تقاضوں کے حوالے سے انہیں یہ جواب دیا گیا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔

آیت ۹۴ ﴿وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَہُمُ الۡہُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾﴾ ’’اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آ گئی‘ مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے بھیجا ہے ایک بشر کو رسول بنا کر!‘‘

اُن کا کہنا تھا کہ اس کام کے لیے ان کی طرف کوئی فرشتہ بھیجا جاتا تو بھی کوئی بات تھی۔ اب وہ اپنی ہی طرح کے ایک انسان کو آخر کیونکر اللہ کا رسول مان لیں؟ ان کے اس اعتراض کے جواب میں جو دلیل دی جا رہی ہے وہ بہت اہم ہے۔

فرمانِ نبویؐ

قرآن اور سنت رسول

عَنِ المقدامِ بن معدیکرب رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ قَالَ: ((اَلَا اِنِّیۡ اُوۡتِیۡتُ الۡکِتَابَ وَمِثۡلَہٗ مَعَہٗ اَلَا یُوۡشِکُ رَجُلٌ شَبۡعَانُ عَلٰی اَرِیۡکَتِہٖ یَقُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ بِھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ فَمَا وَجَدۡتُّمۡ فِیۡہِ حَلَالٍ فَاَحِلُّوۡہُ وَمَا وَجَدۡتُّمۡ فِیۡہِ مِنۡ حَرَامٍ فَحَرِّمُوۡہُ)) (رواہ ابو داؤد)

’’حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: خبردار! ’’مجھے اللہ کی طرف سے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کی مانند (سنت) بھی دی گئی ہے، سنو، عنقریب ایک کھاتا پیتا آدمی اپنی مسند پر تکیہ لگائے کہے گا اس قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لو اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ اسے حرام قرار دو۔‘‘

تشریح: اس میں ’’فتنہ انکارِ حدیث‘‘ کی طرف اشارہ ہے یہ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ خوشحال لوگوں نے انکارِ سنت کا فتنہ کھڑا کر کے امتِ مسلمہ میں انتشار پیدا کر دیا۔ اس گروہ کی دعوت الی القرآن کا حاصل یہ ہے کہ ’’دین کا ماٰخذ صرف قرآن ہے رسول اللہﷺ کی زندگی، سیرت اور سنت دین میں حجت نہیں ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔‘‘ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک حدیثوں کا ذخیرہ دین میں کوئی مقام نہیں رکھتا۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
29 ربیع الثانی تا 5 جمادی الاوّل 1437ھ جلد 25
9 تا 15 فروری 2016ء شمارہ 06
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 12 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ..... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلامی کی زنجیر توڑ ڈالیں

انگریز کی غلامی کا پٹہ اُتارے پون صدی بیت گئی مگر نہ جانے کونسی ایسی غیر مرئی رسی ہے جو اب تک ہماری گردنوں کو شکنجے میں جکڑے بحیثیت آزاد قوم آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے روک رہی ہے؟ کیا مجال ہے کہ ایک قدم بھی مغرب اور امریکہ کی مرضی کے بغیر اُٹھتا ہو، کوئی پالیسی، کوئی حکمت عملی اور کوئی لائحہ عمل ایسا نہیں ہے جو امریکہ اور مغرب کی آشیر باد کے بغیر طے پاتا ہو۔ امریکہ، مغرب اور بھارت کو خوش کرنے کے لیے ہم نے اپنے گھر کو جہنم بنا ڈالا۔ ہر گلی کوچے میں آگ لگا دی، اپنے ہی گھر کے افراد کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا۔ اپنے گھروں پر ڈرون حملے کروائے اور نہتے بچوں، عورتوں اور بے گناہ لوگوں کے پرخچے اُڑا دیئے۔ جو باقی بچے تھے ان کو گھروں سے بے گھر کر کے بے آسرا و بے سہارا چھوڑ دیا۔ غیروں کو خوش کرتے کرتے اپنوں ہی کو ناراض کر بیٹھے اور نتیجہ میں اپنے ہی گھر کو آگ لگا بیٹھے۔ مگر غیر ہیں کہ خوش ہونے کی بجائے ہمارے گھر کی مزید تباہی کا مژدہ سناتے ہیں۔ چنانچہ امریکی صدر باراک اوباما اسٹیٹ آف دی یونین ایڈریس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "پاکستان کئی دہائیوں تک غیر مستحکم رہے گا نیز یہ کہ (پاکستان کی بجائے) انڈیا ان کا فطری اتحادی ہے"۔

یاد رہے کہ نائن الیون کے بعد جب سے پاکستان کو اس جنگ میں دھکیلا گیا ہے، اس طرح کے کئی بیان امریکی و بھارتی اعلیٰ عہدیداران کی جانب سے سامنے آتے رہے ہیں جن میں واضح اشارہ موجود تھا کہ پاکستان کی اس قدر قربانیوں کے باوجود امریکہ کو انڈیا سے اتنا "عشق" کیوں ہے؟ ان اشاروں کی روشنی میں ہمارے پالیسی سازوں اور اعلیٰ دماغوں (اگر کہیں وجود ہے) کو بہت پہلے جان لینا چاہیے تھا کہ بھارت امریکہ کا فطری اتحادی کیوں اور کیسے ہے؟ نیز یہ کہ اس "فطری اتحاد" کا مقصد کیا ہے؟ خاص طور پر جب 2010ء میں RAW کی کچھ دستاویزات CIT-X operations کے حوالے سے منظر عام پر آئی تھیں کہ کس طرح بھارت، اسرائیل اور امریکہ کی انٹیلی جنس ایجنسیاں (را، موساد اور CIA) مل کر پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لیے مصروف عمل ہیں، اس وقت ہماری آنکھیں کھل جانی چاہیے تھیں۔ دستاویز کے مطابق ان کے طریقہ کار کے پیچھے فلسفہ یہ تھا کہ بھارت پاکستان کو امن کے لیے بات چیت میں الجھائے رکھے جبکہ RAW کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ پاکستان کے خلاف اپنی کارروائیاں جاری رکھے۔ اس گھناؤنے شیطانی منصوبے (بغل میں چھُری منہ میں رام رام) کو CIT-X operations (Counter Intelligence Team-x) کا نام دیا گیا۔ واجپائی دور حکومت میں اس طرز کی بھارتی ایجنسیوں کو عام اجازت تھی کہ وہ پاکستان میں کارروائیوں کے لیے Agents بھرتی کریں۔ اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لئے پوری دنیا سے جرائم پیشہ افراد کا انتخاب کیا گیا جن میں افغان بھی شامل تھے۔ اسرائیلی اور بھارتی ایجنسیوں نے بین الاقوامی ڈرگ مافیا کے لوگوں کو بھی ساتھ ملایا ہوا تھا۔ اسی ڈرگ مافیا سے CIT-X کے لیے فنڈنگ حکومتی سرپرستی میں حاصل کی جاتی تھی۔ اس کام کے لیے بھارتی وزارت داخلہ میں ایک خفیہ سیل قائم کیا گیا اور اس کے تحت سرمایہ اکٹھا کرنے کے لیے ہماچل پردیش، اروناچل پردیش، میزورام اور اتر پردیش میں غیر قانونی پوست کی کاشت کی جاتی تھی۔ بھارت کے ڈرگ مافیا کے لوگوں کے افغان ڈرگ مافیا کے ساتھ گہرے روابط تھے اور مل کر کام کرتے تھے اور دونوں ملکوں کی ایجنسیاں ان کو مانیٹر کرتی تھیں۔ منصوبے کے تحت مقبوضہ کشمیر، مشرقی پنجاب، اتر پردیش، راجستھان، گجرات، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک اور آسام میں 57

ٹریننگ کیمپس قائم کیے گئے جہاں سے Agents کو ٹریننگ دے کر پاکستان میں داخل کیا جاتا تھا۔ پاکستان کے اندر مختلف گروپس جو پاکستان کے خلاف کام کر رہے تھے۔انہیں بھی بھاری معاوضہ دے کر ساتھ شامل کیا گیا۔اس آپریشن کو کامیاب بنانے کے لئے Diplomatic Cover کا بھی سہارا لیا گیا۔ بھارت کے لندن، دبئی، ایران اور جنوبی افریقہ میں قائم RAW سینٹرز نے موساد کے ساتھ مل کر پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لیے پورے پاکستان کے اردگرد جال بچھایا ہوا تھا۔

2010ء میں منظر عام پر آنے والی اس رپورٹ کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس سارے عرصہ میں جس طرح بھارت نے ایک طرف بات چیت کا ڈھونگ رچائے رکھا اور دوسری طرف پاکستان میں قتل وغارت گری کا جو بازار گرم رہا وہ اس رپورٹ کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔ یہ ساری صورت حال سامنے آجانے کے باوجود بھی، حالانکہ پاکستان میں ''را'' کی دہشت گردی کے ثبوت بھی اکٹھے کیے گئے، مگر کیا مجال ہے کہ ہمارے حکمرانوں کی امریکہ و بھارت کے حوالے سے پالیسیوں میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہو۔ بلکہ بدستور امریکہ و بھارت کے ساتھ دوستی، تجارت اور عشق ومحبت کی پینگیں بڑھانے کے لیے ہمارے حکمران بے تاب رہے۔ مودی کی پاکستان آمد پر خوشی کے شادیانے بجائے گئے، لبرل، سیکولر اور امن کی آشا کے پجاری طبقہ کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ بھول گئے کہ مکار بنیئے کے منہ میں جب رام رام ہو تو بغل میں چھری ضرور ہوتی ہے اور یہی ہوا کہ فوراً بعد پٹھانکوٹ ائیر بیس سے پاکستان کی پیٹھ میں خنجر اُتار دیا گیا اور ایک بار پھر ممبئی حملوں کے طرز پر دہشت گردی کا لیبل لگا کر پاکستان کو عالمی سطح پر تنہا کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ دوسری طرف ہمارے پالیسی سازوں کو جن پتوں پر تکیہ تھا وہی ہوا دینے لگے۔ ہمارے حکمرانوں اور نام نہاد دانشوروں کو توقع تھی کہ ''را'' کی دہشت گردی کے ثبوت اقوام متحدہ اور امریکہ کو دینے پر امریکہ پاکستان کے احسانات کا لحاظ کرتے ہوئے انڈیا کے خلاف ردعمل ظاہر کرے گا۔ بجائے اس کے اسٹیٹ آف دی یونین ایڈریس میں نہ صرف انڈیا کو فطری اتحادی قرار دیا گیا بلکہ پاکستان کو مزید عدم استحکام سے دوچار ہونے کا مژدہ جانفزا بھی سنا دیا گیا جو اس بات کا واضح اعلان ہے کہ پاکستان کے خلاف CIT-X operations جیسا شیطانی کھیل جاری رہے گا اور انڈیا اس میں اپنا ''فطری'' کردار ادا کرتا رہے گا۔یعنی انڈیا کا Diplomatic Cover پاکستانی قیادت کو مذاکرات کے جھانسے میں الجھائے رکھے گا اور بھارتی ایجنسیاں گھناؤنا کھیل کھیلتی رہیں گی۔مودی کی یوٹرن Diplomacy، پٹھانکوٹ ڈرامے سے از سر نو جواز پیدا کرنا اور باچا خان یونیورسٹی پر حملہ، یہ سب حالات اور واقعات اسی بات کے غماز ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے جو دانشور مودی کی پاکستان آمد کو نیک شگون اور امن اور مسائل کے حل میں اہم پیش رفت قرار دے رہے تھے، وہ بھی اب پاکستان کو اسی پوزیشن پر دیکھ رہے ہیں جہاں 26 نومبر 2008ء کے ممبئی حملوں کے بعد کھڑا تھا، جب مذاکرات کو دہشت گردی کے خاتمے اور حافظ سعید کی حوالگی سے مشروط کیا جا رہا تھا۔ اب بھی انڈیا کی جانب سے ایسے ہی مطالبات سامنے آرہے ہیں۔ گویا اس قدر قربانیاں دینے اور دہشت گردی کے خلاف طویل جنگ لڑنے کے باوجود پاکستان عالمی سطح پر تنہا کھڑا ہے۔ دوسری طرف جن کی خوشنودی کے لیے اپنوں کو ناراض کیا گیا وہی گلشن کی بربادی کی خبر دینے لگے۔ نتیجہ یہ ہے کہ

نہ خدا ہی ملا ، نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

یہ تلخ سبق حاصل ہونے کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ ہم قومی سطح پر غور و فکر کے بعد ماضی اور تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے، اپنے دوست دشمن کو پہچان کر، خالصتاً قومی بنیادوں پر ایسی پالیسیاں مرتب کرتے جو اپنے گھر کی مضبوطی اور استحکام کا باعث بنیں، جن سے قومی سطح پر ہم آہنگی و یکجہتی کی فضا پیدا ہو، ملک امن وسلامتی کا گہوارہ بنے اور قوم ترقی وخوشحالی کی جانب آگے بڑھ سکے۔ بجائے اس کے ہماری حالت یہ ہے کہ ہم آج بھی مغرب کے کھونٹے کے ساتھ بندھے ہیں اور اُسی کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ امریکہ، مغرب اور بھارت کی خوشنودی کے لیے اپنے مذہبی طبقہ کے خلاف گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے، مدارس پر چھاپے اور علماء کو حراساں کرنا، پکڑ دھکڑ اور مذہبی جکڑ بندیاں، یہ سب کچھ غیروں کو خوش کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ موجودہ دور میں مسلم ممالک میں انتشار پیدا کرنے کے لیے یہی مغرب کا سب سے بڑا حربہ ہے جبکہ ہماری عقلوں پر ایسا پردہ پڑ گیا ہے کہ ہم اپنی نفسیاتی غلامی کو کبھی لبرل ازم سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اسے روشن خیالی کا نام دیتے ہیں۔ چنانچہ آج ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں ہر طرف انتشار ہی انتشار ہے اور یہ صرف غیروں کی خوشنودی کے لیے بنائی گئی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ جب تک امریکہ بہادر کی مرضی تھی ہم نے سرکاری سطح پر جہاد کو مقدس بنائے رکھا، لیکن جب مغرب اور امریکہ کے تیور بدلے تو ہم نے اسی جہاد کو دہشت گردی قرار دے دیا اور اس کے نام پر اپنے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا۔ 68 سال میں ہم اللہ سے وعدے اور آئینی مطالبے کے باوجود اپنے ملک میں اسلام کا ایک جز بھی نافذ نہ کر سکے مگر جب امریکہ کی خواہش تھی تو ریمنڈ ڈیوس کی گردن چھڑانے کے لیے اسلام کے اصول دیت کا سہارا لے لیا۔ ایک جرنیل نے امریکہ کی خوشنودی کے لیے نظام مصطفیٰ کے نعرے کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا، دوسرا آیا تو امریکی آشیر باد سے یکسر مختلف سمت میں چلتے ہوئے نظام مصطفیٰ کو شدت پسندی قرار دے دیا اور روشن خیالی سرکاری مذہب قرار پایا۔

یہ تو عسکری قیادت کی امریکہ نواز اور مغرب نواز پالیسیوں کا حال تھا، جو کچھ جمہوریت کے نام پر سیاستدانوں نے گل کھلائے ان کا چرچہ بھی صولت مرزا کے بعد عزیر بلوچ کے انکشافات کی صورت میں پوری قوم کے سامنے ہے کہ کس طرح لیاری گینگ وار کو ایک سابق وزیر داخلہ کے کہنے پر پیپلز امن کمیٹی کا نام دیا گیا اور اسی وزیر کے کہنے پر ہزاروں لوگوں کا قتل عام کیا گیا۔ سرکاری سرپرستی میں بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان کی وارداتیں کرائی گئیں۔ جوئے کے اڈوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پولیس افسران اور حکومتی شخصیات کو پہنچتی رہی، نیز لیاری گینگ وار کے کارندے وارداتوں کے لئے پولیس کی گاڑیاں بھی استعمال کرتے رہے۔ لسانی بنیاد پر اغوا کیے جانے والے مغویوں کی لاشیں کس کی گاڑی میں ٹھکانے لگائی جاتی تھیں۔ زمینوں پر قبضہ کے لیے وزیروں نے کس طرح لوگوں کو قتل کرایا۔ سب سے اہم انکشاف یہ بھی کہ اسی لیاری گینگ وار کو سیاسی سرپرستی میں نیٹو کا (باقی صفحہ 7 پر)

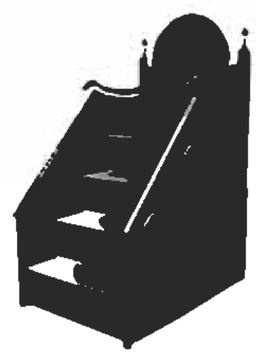

اللہ کی کبریائی اور انذارِ آخرت!

(سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات کی روشنی میں)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 22 جنوری 2016ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

مرتب: حافظ محمد زاہد

آج ہم نے سورۃ المدثر کا مطالعہ کرنا ہے..... سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر قرآن مجید کی بہت سی سورتوں کی طرح جوڑے کی شکل میں ہیں اور ایسی سورتوں کو حدیث میں اخوات کہا گیا ہے کہ ان میں بہنوں جیسی مشابہت ہوتی ہے۔ سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں بھی بہت مماثلت پائی جاتی ہے بایں طور کہ دونوں کے آغاز میں براہ راست محمد رسول اللہ ﷺ سے بڑی ہی محبت اور اپنائیت کے انداز میں خطاب ہے، پھر دونوں کا حجم بھی تقریباً ایک جتنا ہے اور دونوں میں آپ ﷺ کی رسالت کے حوالے سے مختلف ذمہ داریوں اور مختلف تقاضوں کا ذکر ہے اور اس ضمن میں آپؐ کے لیے خصوصی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات کے بارے میں رائے یہ ہے کہ یہ دوسری وحی ہے‘ یعنی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات کے بعد سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ نزولِ وحی کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ 40 سال کی عمر میں حضرت جبرائیلؑ آپؐ کے پاس غارِ حرا میں پہلی وحی لے کر آئے۔ چونکہ یہ آپؐ کے لیے پہلا تجربہ تھا تو اس کی وجہ سے آپؐ پر ایک گھبراہٹ سی طاری ہوگئی۔ آپؐ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے لحاف میں لپیٹ دو۔ اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک دوبارہ وحی نہیں آئی۔ یہ فطرت وحی کا پہلا دور کہلاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق حضور ﷺ کے لیے یہ بہت ہی تکلیف دہ معاملہ تھا کہ وحی کیوں رک گئی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آپؐ اس حوالے سے بہت زیادہ پریشان ہوتے تھے تو جبرائیل آ کر آپؐ کو تسلی دیتے تھے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔

تقریباً تین سال کے بعد دوبارہ وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک زور کی آواز آئی تو میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غارِ حرا میں آیا تھا‘ عجیب و غریب شکل میں ایک بہت بڑی کرسی کے اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ اس مشاہدے کی بھی ایک عجیب سی دہشت آپؐ پر طاری ہوگئی۔ آپؐ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کوئی کمبل اوڑھا دو۔ اس کے فوراً بعد سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲﴾

”اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ)! آپؐ اٹھئے اور (لوگوں کو) خبردار کیجیے۔“

یہ بڑا محبت بھرا اور مشفقانہ انداز ہے۔ سورۃ المزمل میں یاایھا المزمل کے بعد قیام اللیل کا حکم تھا جو حضور اکرم ﷺ کے کندھوں پر آنے والی بھاری ذمہ داری کی تیاری کے لیے بہت ضروری تھا اور اب یہاں اس ذمہ داری کا ذکر ہے جو آپؐ پر ڈالی گئی ہے کہ کھڑے ہو جاؤ اور اب انذار شروع کر دو‘ لوگوں کو خبردار کرنا شروع کر دو۔

رسول کے ذمہ ابتدائی طور پر دو کام ہوتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔ سورۃ النساء‘ آیت 165 میں فرمایا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ﴾ ”یہ رسولؑ (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر۔“ زیر مطالعہ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ابتدائی طور پر انذار کا حکم دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بشارت اور انذار میں سے انذار زیادہ اہم ہے۔

اب یہ انذار اور ڈرانا اُس بڑی خبر کے بارے میں ہے جس سے آج مسلمان بھی اکثر و بیشتر غافل ہیں کہ اصل زندگی موت کی سرحد کے پار ہے۔ موت پر خاتمہ نہیں ہے‘ بلکہ تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور پھر تمہارا حساب ہوگا۔ یہ نہ سمجھو کہ اس دنیا میں بظاہر جو شخص مال و دولت اور اعلیٰ حیثیت کی وجہ سے کامیاب رہا تو وہ انجام کے اعتبار سے بھی کامیاب رہے گا۔ اگر وہ راہِ راست پر نہیں ہے تو وہ انتہائی بدنصیب ہے اور جہنم کا عذاب اس کا منتظر ہے۔ چنانچہ رسولؐ کا کام ہے کہ اس خطرے سے لوگوں کو آگاہ کرتا رہے۔ قرآن مجید نے اس دنیوی زندگی کی حقیقت کو کئی مقامات پر بیان کیا ہے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے‘ بلکہ ایک دن کی چند ساعتوں کے برابر ہے۔ لہٰذا آخرت کے بارے میں فکر کرو جس کے اندر موت بھی نہیں ہے۔ یہ سب سے اہم نکتہ ہے جس کے حوالے سے رسول خبردار کرتا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو بھی اس حوالے سے خبردار کیا جائے اس لیے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت اسی دنیا کی کامیابی کو کامیابی سمجھتی ہے اور آخرت کے بارے میں سوچنا ایک دقیانوسی عمل بن چکا ہے۔

اس پہلو سے رسول کے دو کام ہیں: خبردار کرنا اور بشارت دینا۔ سورۂ سبا‘ آیت 28 میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام بنی نوع انسان کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر''۔ خوشخبری ان کے لیے ہے جن کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق زندگی گزاریں۔ ایسے لوگوں کے لیے بشارت ہی بشارت ہے کہ اُن کے لیے ابدی راحتیں ہوں گی اور وہ انعامات ہوں گے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہے اصل بشارت! ویسے تو دنیا میں بھی ہم ایک دوسرے کو خوشخبریاں دیتے ہیں۔ جیسے کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو تو ہم اُسے مبارک باد دیتے ہیں۔ ٹھیک ہے یہ بھی خوشخبری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بیٹا اللہ کی نعمت اور رحمت ہے۔ لیکن یہی بیٹے بعض اوقات سوہانِ روح اور دنیا میں والدین کے لیے عذاب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ اصل بشارت یہ ہے کہ آخرت کی کامیابی کا پروانہ مل جائے۔

بشارت دینے کے ساتھ رسولؐ کا دوسرا اور اہم ترین کام انذار ہوتا ہے اور رسولؐ کو خاص طور پر ایسے معاشرے میں بھیجا جاتا ہے جو اللہ اور آخرت کو بھول چکے ہوتے ہیں اور ہدایت کے راستے سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ معاشرہ جس میں بگاڑ پیدا ہو جائے وہاں اصل ضرورت انذار کی ہوتی ہے کہ لوگوں کو ڈرانا اور خبردار کرنا کہ آگے ایک بہت بڑا خطرہ، بہت بڑا نقصان تمہارا منتظر ہے۔ ابھی سے ہم پیشگی تمہیں خبردار کر رہے ہیں اور اللہ کا پیغام تم تک پہنچا رہے ہیں' شاید تمہاری آنکھیں کھل جائیں، شاید تم اپنی زندگی کے انداز بدل لو اور اپنا قبلہ درست کر لو۔ چنانچہ بگڑے ہوئے معاشرے میں اہل دین کا اصل کام انذار ہے اور ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمیں لوریاں دے کر سلایا جاتا ہے کہ جو مرضی کرو' تم بخشے بخشائے ہو۔ قرآن تو بار بار اس کی تردید کرتا ہے۔ یہود کا بھی یہ کہنا تھا کہ ہم بخشے بخشائے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ ان کے خود ساختہ، گھڑے ہوئے خیالات ہیں اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج ہمیں بھی اِسی طرح کی لوریاں دے کر سلایا جا رہا ہے کہ تم تو بخشے بخشائے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یہود کے اندر جو زوال آیا تھا' آج وہی زوال ہمارے اندر بھی آیا ہوا ہے۔ آج بھی اصل ضرورت انذار کی ہے۔

اگلی آیت میں نبی اکرم ﷺ کے مشن کا تذکرہ ہے' فرمایا: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣﴾ ''اور اپنے رب کو بڑا کرو!'' سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں فرمایا: ﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝١١١﴾ ''اُس کی تکبیر کرو جیسے کہ تکبیر کرنے کا حق ہے''۔ اللہ تو بڑا ہے لیکن اس دنیا میں ہم اسے بڑا نہیں مانتے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سارے جہاں میں اللہ ہی کی حاکمیت ہے اور وہی دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے، وہی مشکل کشا ہے' وہی حاجت روا ہے' وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کسی کو اس نے اختیار میں کوئی حصہ نہیں دیا۔ یہ ہے اللہ کی بڑائی کا اعلان! لیکن اُس وقت نہ مشرکین مانتے تھے اور نہ آج ہم مانتے ہیں۔

کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں اور پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اس کے دستور میں اللہ کی بڑائی بھی موجود ہے' لیکن وہ صرف دستور کا ایک حصہ ہے، دستور کے اوپر حاوی نہیں ہے۔ یہاں تو آج بھی انگریز کا قانون چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آزاد خطہ بھی دے دیا۔ لیکن ہم اتنے غلام ہیں کہ انگریز کے دیے ہوئے نظام کو آج بھی روا رکھا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں انگریز کا نظام پسند ہے اور ہمیں اللہ کی کبریائی کا نظام نہیں چاہیے۔ اسی طرح قرآن میں اگر یہ ہے کہ سود کو نہیں چھوڑتے تو اللہ اور رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ' تو ہوتا رہے۔ ہم قرآن پڑھیں گے' اس کی تلاوت کر کے ثواب بھی حاصل کریں گے' لیکن سود چھوڑنے کے حوالے سے اللہ و رسول سے جنگ اور اس کے خلاف محاذ آرائی سے ہم باز نہیں آتے۔

کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ اللہ اکبر کے زبانی نعروں کے ساتھ ہم نے دنیا میں بھی عملی طور پر اللہ کو بڑا کر کے دکھانا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے ہمارا رویہ یہ تھا کہ ہم زبان سے مانتے تھے' اللہ اکبر کا اعلان بھی کرتے تھے' لیکن اس کے باوجود ہم انگریز کی حکمرانی میں بھی رہ رہے تھے۔ اس پر علامہ اقبال نے پھبتی چست کی تھی کہ

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

اسی طرح اقبال نے ملا کی اذان اور مجاہد کی اذان میں فرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب مُلا و نباتات و جمادات

درحقیقت تکبیر تو اس کا نام ہے کہ رب کی دھرتی پر اللہ کا نظام قائم ہو اور یہ مسلمان کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے کہ تم اللہ کو سب سے بڑا مانتے ہو' لیکن دنیا میں اللہ کو بڑا نہیں مانا جا رہا تو یہ تم کیسے برداشت کر رہے ہو۔ اسی طرح تم کہتے ہو کہ ہم اللہ و رسول کے وفادار ہیں تو یہ وفاداری کیسی ہے کہ تم اللہ کی زمین پر اللہ کے ساتھ بغاوت کو روا رکھے ہوئے ہو۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مسلمان ممالک میں بھی اللہ کو بڑا ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کسی ایک اسلامی ملک میں بھی اللہ کا دین قائم نہیں ہے۔ کہنے کو 57,56 اسلامی ملک ہیں، لیکن کہیں بھی اللہ بڑا نہیں ہے۔ اگر اللہ کہیں تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے تو مسجد کے اندر بس۔ اگرچہ وہاں بھی ہم نے اس کو بڑا نہیں رہنے دیا اور وہاں بھی ہمارا نفس بڑا ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

اس ضمن میں آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ ختم نبوت کے بعد لوگوں کو خبردار کرنا (انذار) میری اور آپ کی ذمہ داری ہے اور ساری دنیا میں اللہ کو بڑا کر کے دکھانا یہ ہمارا مشن ہے۔ لیکن ہمیں پتا ہی نہیں ہے اور پھر ہمیں بتایا بھی نہیں جاتا اور اس کو ضرورت ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اقبال نے کہا تھا:

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کام کے لیے منتخب کر لیا ہے جس کام کے لیے اس سے پہلے رسول منتخب کیے جاتے تھے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ یہ رسولوں کا کام ہے۔ نہیں' یہ اب میری اور آپ کی بھی ذمہ داری ہے کہ رب کی کبریائی کا اعلان کریں اور اس دنیا میں رب کو بڑا کر کے دکھائیں۔

اگلی آیات میں رسول اللہ ﷺ کو مزید ہدایات دی جا رہی ہیں:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤﴾

''اور اپنے کپڑوں کو صاف رکھنے کا اہتمام کیجیے۔''

نجاست دو طرح کی ہوتی ہے: (1) حسی نجاست' اور (2) معنوی نجاست۔ حسی نجاست یہ ہے کہ جسم یا کپڑوں پر کوئی گندگی لگی ہوئی ہو' اس سے تو بچنا ہی ہے۔ لیکن ایک معنوی نجاست ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے:

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥﴾

''اور ہر قسم کی گندگی سے دور رہیے۔''

یہاں مراد شرک ہے اس لیے کہ سب سے بڑی گندگی شرک ہے۔ باقی سارے غلط افکار درجہ بدرجہ اس کے تحت آ جائیں گے۔ چنانچہ ہر نوع کی گندگی سے کامل گریز' اسے

ختم کرنا اور اس سے بچ کر رہنا بہت ضروری ہے۔

﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶﴾

''اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجیے۔''

یعنی آپؐ جو دعوت کا کام کریں گے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے تو اس کے بدلہ کا نہ سوچیں۔ آپ ﷺ کا رویہ یہ تھا کہ آپ کے پاس اگر کچھ بھی ہوتا تھا تو آپؐ غریبوں، ناداروں، ضرورت مندوں اور محتاجوں میں خرچ کر دیتے تھے۔ اس سے بھی بڑا احسان آپ کا یہ ہے کہ آپؐ لوگوں کو راہ راست دکھا رہے تھے اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہرحال یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ آپ جو بھی خیر کے کام کریں تو اس کے بدلے میں آپ کو بھلائی کی اُمید نہیں ہونی چاہیے یعنی سارے کام بس اللہ کی رضا کے لیے ہوں۔ جس کو ہمارے ہاں محاورے میں کہا جاتا ہے کہ ''نیکی کر دریا میں ڈال''۔ یہ سب سے اونچا مقام ہے کہ دوسروں سے کوئی توقع نہ ہو۔ اگرچہ تعلیم یہ ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی حسن سلوک کرے تو جواباً تم بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو۔ یہ اپنی جگہ ہے، لیکن جو کسی کے ساتھ بھلائی یا احسان کر رہا ہے تو اس کی عظمت یہی ہوگی کہ وہ جواباً کسی بھی احسان کی توقع میں یہ کام نہ کرے، بلکہ صرف اللہ کے لیے کرے۔

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷﴾

''اور اپنے رب کے لیے صبر کرو۔''

ایک ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے کہ اس راستے میں جو مشکلات و تکالیف آئیں گی تو آپؐ اپنے رب کی خاطر ان کو برداشت کیجیے، صبر کیجیے۔ دوسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ اپنے رب ہی سے اُمید رکھیے۔ یعنی اپنے اعمال کے بدلہ کی توقع اپنے رب سے ہی رکھیے۔ وہی آپؐ کو دے گا اور وہی دے سکتا ہے، کوئی اور دے ہی نہیں سکتا۔

اگلی آیات میں قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے:

﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝۸ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝۹ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝۱۰﴾

''جب صور میں پھونکا جائے گا۔ تو وہ دن بہت سخت دن ہوگا۔ کافروں پر وہ ہلکا نہیں ہوگا۔''

اصل میں یہ وہی انذار کی بات ہو رہی ہے کہ اس دن سے خبردار کیجیے جس دن دوبارہ اُٹھائے جاؤ گے اور اس دن پھر وزنِ اعمال ہوگا اور پھر آخری انجام کا تعین ہوگا۔ کافروں کے لیے وہ دن بہت بھاری ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کے ابتدائی دور کے خطبوں میں سارا زور انذارِ قیامت پر ہی ہوتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے ابتدائی دور کا ایک خطبہ ''نہج البلاغہ'' میں نقل کیا گیا ہے، بطورِ مثال ملاحظہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! تم جانتے ہو کہ رائد (قافلہ کا رہبر و رہنما) اپنے قافلے کو کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔ اللہ کی قسم! اگر (بفرضِ محال) میں تمام انسانوں سے جھوٹ کہہ سکتا تب بھی تم سے کبھی نہ کہتا، اور اگر تمام انسانوں کو فریب دے سکتا تب بھی تمہیں کبھی نہ دیتا۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف خصوصاً اور پوری نوع انسانی کی طرف عموماً۔ اللہ کی قسم! تم سب یقیناً مر جاؤ گے جیسے (روزانہ) سو جاتے ہو، پھر یقیناً اٹھائے جاؤ گے جیسے (ہر صبح) بیدار ہو جاتے ہو۔ پھر لازماً تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا اور پھر لازماً تمہیں پورا پورا بدلہ ملے گا، اچھائی کا اچھا اور برائی کا برا، اور وہ جنت ہے ہمیشہ کے لیے یا آگ ہے دائمی۔''

یعنی یہ نہیں ہے کہ تھوڑے درجے کی ناکامی ہو بایں طور کہ کامیاب لوگ زیادہ اونچی سطح کی زندگی گزار لیں اور ناکام لوگ ذرا نیچی سطح کی زندگی گزار لیں اور ان کے پاس بھی ضروریات کا سامان موجود ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ وہاں کی ناکامی ابدی ہے اور وہاں کی کامیابی اور ناکامی میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہوگا۔ لہٰذا اس ناکامی سے بچنے کی کوشش کرو۔

آج ہم سورۃ المدثر کی صرف دس آیات کا مطالعہ کر سکے ہیں، ان شاء اللہ اس سورۃ مبارکہ کی اگلی آیات کا مطالعہ آئندہ کریں گے۔ ☆☆☆

بقیہ : اداریہ

اسلحہ فراہم کیا گیا جس کی ترسیل سرکاری گاڑیوں میں اہم سیاسی راہنماؤں نے کی۔ اس اسلحہ کو اہم سیاسی راہنماؤں نے قبضوں، ٹارگٹ کلنگ اور دیگر جرائم کے لیے استعمال کیا۔ اس انکشاف کے بعد یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ نیٹو کے اسلحہ بردار کنٹینرز جو غائب ہوئے تھے وہ کہاں گئے؟

اپنی نسل کی بقاء اور تحفظ ہر ایک کو عزیز ہے۔ لیکن اس ملک کے جرنیلوں سے لے کر سیاستدانوں اور حکمرانوں تک سب غیروں کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں، سب غیروں کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں، فوجی حکومتوں کی پالیسیاں بھی دشمن نواز ہیں اور جمہوریت میں بھی دھوکا ہے۔ جان، مال، عزت، آبرو کچھ بھی محفوظ نہیں ہے تو عدم تحفظ کا یہی احساس متبادل نظام اور تحفظ کی راہیں تلاش کرنے پر عوام کو مجبور کرتا ہے اور اسی مجبوری سے دہشت گرد نیٹ ورک فائدہ اُٹھاتے ہیں اور ملک میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے ہیں۔

اگر ہم نے لوگوں کو دہشت گرد گروپوں کے ہتھے چڑھنے سے روکنا ہے، اگر ہم نے ترقی کرنی ہے اور آگے بڑھنا ہے تو اس کے لیے پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرنا ہوگا۔ خود کو امریکہ و مغرب کی نفسیاتی غلامی سے آزاد کرنا ہوگا اور ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنے قومی مفادات سے ہم آہنگ آزاد فیصلے کرنے ہوں گے اور اپنے گھر کو سنوارنے کے لیے گھر کے مکینوں کے جذبات، احساسات اور امنگوں کے مطابق ریاست کا بیانیہ اور پالیسیاں ترتیب دینی ہوں گی۔ عوام کی جان، مال اور عزت کے تحفظ کو یقینی بنانا ہوگا۔ لوگوں کو ان کے حقوق دینے ہوں گے۔ اگر اس ملک میں اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے اور اس ملک کا وزیر اعظم ہندوؤں کی مذہبی رسوم میں شریک ہو کر ان کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے تو اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک میں مسلمان اکثریت کی مذہبی آزادی سوالیہ نشان کیوں بنائی جا رہی ہے؟ اگر جمہوری انداز سے دیکھا جائے تو بھی اس ملک میں اکثریت کی مرضی کے مطابق پالیسیاں بننی چاہئیں۔ اکثریت کا مینڈیٹ حاصل کر کے فیصلے بیرونی ڈکٹیشن پر کرنا جمہوری تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی معاشرت کا قیام پاکستان کے مسلمانوں کا آئینی حق ہے۔ اگر انہیں یہ حق نہیں دیا جا رہا تو اس میں قصور کس کا ہے؟ اور انہیں کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ غیروں کو خوش کرنے کے لیے ہم نے اپنے گھر کو بگاڑا ہے۔ لہٰذا اب اپنے گھر کو سنوارنے کے لیے غیروں کی ناراضگی سہنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہوگا اور اپنا گھر درست کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہم غلامی کی اُس زنجیر کو، جس سے سفید سامراج نے ہماری گردنوں کو جکڑا ہوا ہے، توڑ ڈالیں تاکہ ہم آزاد ذہن سے ایسے فیصلے کر سکیں جو قومی اور ملی مفادات سے ہم آہنگ ہوں۔

☆☆☆☆☆

حقیقتوں کو چھپانے کی کاوشوں میں.....

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

پورے ملک کو خوف کی لہر نے دبوچ رکھا ہے۔ سکیورٹی خدشات کے نام پر خوف کی بھٹی دہکائی جا رہی ہے۔اعصاب شل کیے جا رہے ہیں۔لاہور کی 3 یونیورسٹیاں، ملتان کے 7 تعلیمی ادارے، پنجاب میں 50 تعلیمی ادارے تالا بند، سرگودھا میں 15 ادارے سیل، سندھ بھر میں تعلیمی اداروں کی سکیورٹی کے لیے ریپڈ رسپانس فورس فعال کرنے کا حکم۔ یہ سب اس لیے کہ 13 دہشت گردوں کی پاکستان آمد کا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے۔ حیراں ہوں دل کو روؤں کہ.....! پورے ملک کو ذہنی مریض بنا کر دم لیں گے؟ حتیٰ کہ وزیر داخلہ بھی کہہ گزرے کہ نفسیاتی سطح پر دہشت گردی کے خلاف جنگ ہار رہے ہیں۔

مایوسی کی فضا پیدا کر کے ملک وقوم کی کیا خدمت کی جا رہی ہے؟ ننھے معصوم بچوں کو ہم کیا سبق دے رہے ہیں؟ نفرت، انتقام، تحقیر، مایوسی کی کاشت سے ہم بنگلہ دیش کی فصل آج تک کاٹ رہے ہیں۔ ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔ رُک جائیں۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں۔ ذلت آمیز مٹھی بھر ڈالروں کی کمائی نے یہ گرد باد اٹھائے ہیں جس کے گرد وغبار میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا۔ یہ امریکی جنگ گود لینے کے نتائج ہیں۔

ہم پر یہ پالیسی ہمارے آقاؤں نے مسلط کی ہے۔ برطانیہ اور اس کی موجودہ صورت امریکہ۔ برطانوی راج کا جلیانوالہ باغ کا قتل عام۔ نیز 14 ہزار علماء پھانسی چڑھائے گئے تھے۔ روزانہ بادشاہی مسجد میں 80 علماء لٹکائے گئے۔ برطانیہ کی نگاہ میں کل مولوی کا مطلب باغی تھا۔ آج دینی طبقات کے لیے لقب دہشت گرد ہے۔ دہشت گردانہ واقعات ختم نہ ہوں گے نہ ہونے دیئے جائیں گے۔ یہ امریکی گریٹ گرینڈ پلان کا حصہ ہے۔ ایسے واقعات کی آڑ میں جذبات دہکائے جاتے ہیں۔ نفرت کے لاوے کھولائے جاتے ہیں۔ لمبی لمبی داڑھیاں دکھا کر ایک تصور (image) پختہ کیا جاتا ہے۔ عین اسی طرح جیسے کراچی ٹیلی ویژن سٹیشن قائم کرتے ہوئے متوقع پروڈیوسر صاحبان کی خصوصی نشست میں پہلے جنرل منیجر مرحوم ذوالفقار علی بخاری نے جو اغراض و مقاصد بیان فرمائے تھے، انہیں پروفیسر شمیم احمد (سلیم احمد مرحوم کے بھائی) نے قلم بند کیا تھا۔ اس وقت بھی لبرلزم بونے اور نئے پاکستان کی بذریعہ ٹیلی ویژن بنیاد رکھنے میں یہ شامل تھا کہ متوسط طبقے کو فرسودہ مذہبی تصورات سے آزاد کرائیں..... منافقت اور تضادِ کردار کے لیے منفی ڈراما کرداروں کے ڈاڑھی لگائیے۔ مضحکہ خیز کرداروں اور یتیم العقل افراد کو مشرقی لباس پہنائیے۔ پچاس سال قبل شروع کیے اس سفر میں پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا۔

دہشت گردی نامی جنگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ کیا اسے جھٹلانے کی کوئی ایک دلیل بھی موجود ہے؟ خون کی ندیاں مسلمانوں ہی کی بستیوں، ملکوں میں بہہ رہی ہیں۔ پوری دنیا کے عقوبت خانے باعمل مسلمانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ پھانسی کے سارے پھندے باریش افراد کی گردنوں کے لیے ہیں۔ ہر ایسے واقعے کی آڑ میں دین داروں پر نئے کریک ڈاؤن، پولیس مقابلوں، لاپتگیوں، چھاپوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، جس پر سوال اٹھانا جرم عظیم قرار پاتا ہے۔

پلٹ کر دیکھیے۔ امریکہ نے اتحادیوں سمیت افغانستان پر حملہ کیا۔ پہلے روسی کفار نے حملہ کیا تھا تو پوری دنیا سے آنے والے مجاہدین کو پاکستان نے پھولوں کے ہار پہنائے۔ قبائلی پٹی ان کا مسکن بنی۔ خاندان وہاں آ کر آباد ہوئے۔ جماعت اسلامی اس جہاد میں فرنٹ لائن اتحادی تھی۔ روس کو شکست فاش ہوئی۔ دیوار برلن ٹوٹی، روس کا آہنی پردہ ریزہ ریزہ ہوا۔ تمام تر جھوٹے پراپیگنڈے کے باوجود یہ جنگ جہادی فولادی عزم اور ایمان نے جیتی تھی اور امریکہ مجاہدین کے ساتھ فوٹو سیشن کی بھیک مانگتا رہا! اب ایک مرتبہ پھر وہی بھٹی دہک رہی تھی۔ پہلے ایک کافر ملک کا حملہ جہاد لاگو کر رہا تھا، اب تو 49 ممالک ٹوٹ پڑے تھے۔ سادہ فارمولے کے تحت جہاد 49 مرتبہ فرض قرار پا رہا تھا۔ (یہ سطور لکھنے پر بھی اب بھانبڑ جلنے لگتے ہیں! جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں!) وہی قبائلی پٹی، وہی پاکستان، وہی امریکہ کا صلیبی لشکر۔ دنیا بھر سے دیوانے پھر نارِ نمرود میں بے خطر کود پڑنے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر اب دنیا بدل چکی تھی۔ پاکستان صلیبی لشکر کا فرنٹ لائن اتحادی تھا۔ جہاد اور مجاہد کی جگہ، دہشت گردی اور دہشت گرد (د۔گ) کی دگ دگ سے دنیا گونج رہی تھی۔ پاکستان نئی پالیسی کے تحت پہلے دبے لفظوں میں شرمندہ شرمندہ یہ کہتا رہا کہ افغانستان میں واقعی جہاد ہے لیکن ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ پھر نوبت یہاں تک آئی کہ ہم نے 15 سال اس لشکر کو کمک مفت مہیا کی۔ ہوائیں، فضائیں، سڑکیں سب ان کے حوالے کر دیں۔ امریکی جنگ کو جس نے میلی آنکھ سے دیکھا ہم نے اسے یا حوالۂ زنداں کیا یا جنت پہنچا کر دم لیا۔ پھر زبان حال سے یہ کہا کہ تم ہماری لاشوں پر سے گزر کر امریکہ کے خلاف لڑو گے۔ قبائلی علاقوں میں فوج تعینات کی جسے ہم نے خون جگر پلا کر اندرا گاندھی اور مودی جیسے موذی دشمنوں (جس نے ہمیں مشرقی پاکستان سے محروم کیا اور ہماری شہ رگ کشمیر پر غاصبانہ پنجے گاڑے) کے لیے پالا تھا۔ قوم کے وہ بیٹے جو ہندو سے نبرد آزما ہونے کشمیر واپس لینے کے عزائم رکھتے تھے، اب افغانستان کی طرف چل دیئے۔

امریکہ کو پاکستان کی غلامانہ فدویانہ مدد درکار تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ یہ جنگ ہم جیت کر اس کی جھولی میں ڈالیں۔ پرویز مشرف نے اس کی توقعات سے بڑھ کر ایسا یوٹرن لیا جس میں اس راستے کی رکاوٹ جذبۂ جہاد اور اسلام کو کچل ڈالنے کی بھرپور پالیسی بنی۔ میڈیا، تعلیم سے اسلام اور حیا نکالی۔ مساجد، مدارس قبائلی علاقہ جات پر آپریشن، ڈرون حملے، لال مسجد، کیا کچھ نہ ہوا۔ راہِ حق اور راہِ راست جیسے ناموں سے ہم نے پے در پے قبائلی علاقے اجاڑے۔ جھوٹی سوات ویڈیو کے ذریعے سوات آپریشن اور لال مسجد آپریشن کے بعد پورا ملک ہم نے آگ میں جھونک دیا۔ انتقام در انتقام کا یہ سلسلہ چل نکلا۔ فاٹا، پاٹا کی 70، 80 لاکھ پشومن آبادی متاثر ہوئی۔ میڈیا نے کبھی ان علاقوں پر بمباریوں کی براہ راست تصاویر اور حقائق نہیں دکھائے۔ میرا قلم نوچنے اور دہشت گرد قرار دینے کی بجائے حقائق کا سامنا کیجیے۔ ہم نے وہ آبادیاں ادھیڑ ڈالی ہیں ان پر موت اور در بدری مسلط کی ہے جو شدید جنگجو اور انتقام کی طویل تاریخ رکھتے ہیں۔ انہیں ان کے اسلام اور جذبۂ جہاد کی سزا امریکہ کی خوشنودی کے لیے دی گئی ہے۔ امریکہ نے ہمیں اس کی قیمت ادا کی ہے۔

کتنی خون ریزی اور ہوگی؟

مفتی سید عدنان کاکاخیل

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا واسطہ انسانیت نام کی چیز سے عاری اور درندگی کی آخری حدوں کو پار کر دینے والے بے رحم دہشت گردوں سے آن پڑا ہے۔ تاریخ انسانی نے معصوم بچوں، بے بس عورتوں، نہتے بے گناہوں اور اپنے ہم وطن، ہم مذہب بھائی بندوں کے ایسے سفاکانہ قتل عام کی مثالیں بہت کم دیکھی ہوں گی۔ یقیناً جہالت، شقاوت اور دہشت کے اس امتزاج سے نبرد آزما ہونا اور ان کا مکمل صفایا اور قلع قمع کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں، مگر سوال یہ ہے کہ اس جنگ کو کامیابی سے لڑنے کے لیے جیسی تیاری، جو سنجیدگی اور جتنی ہم آہنگی چاہیے تھی، کیا وہ نظر آ رہی ہے؟ کیا ہم اس بات پر غور کرنے پر آمادہ ہیں کہ ہمارے ہاں خرابی کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ ہماری کن قلابازیوں نے یہ روز سیاہ ہمیں دکھایا؟ کہاں، کب اور کس کس نے قومی مفادات کو ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھایا اور اس ''ناحق'' پر کون کون سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہا اور کس نے حق کی بجائے ناحق کا ساتھ دیا؟ ہم نے اپنی خودمختاری اور ملی غیرت کا سودا کتنے میں کیا اور دھرتی ماں کی اس دلالی سے حاصل شدہ زرکثیر سے کس کس نے گلچھرے اُڑائے؟ نہیں ہم ان حقائق کا ادراک کیے بغیر، اس تمام محاسبہ کے بغیر اور اپنے بھیانک بلنڈرز کی تلافی کیے بغیر اصلاح کے سفر پر نکلے ہیں۔ اس بے نتیجہ سفر اور گمشدہ منزلوں کی اندھیروں میں تلاش کا نتیجہ ہے کہ گزشتہ 15 سالوں میں ایک جیسے ''ٹیمپلیٹ'' بیانات کی لاحاصل تکرار کے علاوہ ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آیا اور اب اس بے ہودہ یاوہ گوئی سے قوم آخری حد تک بیزار ہو گئی ہے اور اب تو اس عمومی قومی آزمائش کی کوکھ سے عصبیت، لسانیت اور صوبائیت کے بدبودار افکار اور نعروں نے جنم لینا شروع کر دیا ہے۔ (سانحہ چارسدہ کے بعد ''صرف پختون ہی نشانہ کیوں؟'' جیسے بیانات سوشل میڈیا پر تیزی سے گردش کرتے ہوئے دیکھے گئے) مذہب پسند اور لبرلز کے نام سے قوم کی بندر بانٹ کے عمل میں مزید تیزی لائی جا رہی ہے۔ فرقہ پرست جماعتوں کے پشت پناہوں نے اس راؤنڈ کو آخری اور حتمی سمجھتے ہوئے بے تحاشا مزید وسائل جھونک دیے ہیں۔ یہ ساری صورت حال چند اقدامات کا تقاضا کر رہی ہے اور ان اقدامات میں جتنی تاخیر ہوگی اتنا نقصان بڑھتا جائے گا۔

(1) ماضی کی غلطیوں اور بھیانک جرائم پر اللہ کے حضور توبہ کی جائے اور اخلاص کے ساتھ اس ملک عزیز کو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت سمجھتے ہوئے اس کی سالمیت اور تحفظ کو اپنی پہلی ترجیح بنایا جائے۔

(2) سیاسی اور عسکری قیادت اپنے تمام جھگڑے اور اختلافات پس پشت ڈال کر کم از کم اس معاملے پر ایک پیج پر آ جائے۔

(3) قانون نافذ کرنے والے اداروں میں کرپشن اور بدعنوانی کی عمومی وبا اس روز سیاہ کا ایک اہم باعث ہے۔ ان اداروں کو کالی بھیڑوں سے فوراً پاک کیا جائے۔

(4) اس دہشت گردانہ سوچ اور نظریہ کے تدارک کے لیے نیک نام اور بلند مقام علمائے دین کو آن بورڈ لیا جائے جو قرآن وسنت کی روشنی میں اس حوالے سے صحیح اسلامی فکر پیش کریں تاکہ دین ومذہب کے نام کا یہ انتہاء غلط استعمال بند ہو۔

(5) علمائے کرام ببانگ دہل اس دہشت گردی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور کسی بھی سطح پر خاموش رہنے کو ہرگز روا نہ رکھیں۔

(6) عوام الناس قومی سانحات کے وقوع پر بدگمانی اور بدزبانی کا مکدر ماحول بنانے کی بجائے غیر معمولی یکجہتی اور ہم آہنگی کی فضا قائم کریں۔

(7) فقط دینی مدارس کے خلاف بغض کے ناجائز اظہار کو معمول نہ بنایا جائے اور اس حقیقت کو سمجھا جائے کہ شدت پسندی کا یہ عفریت اب عصری تعلیمی اداروں میں پوری طور پر گھس چکا ہے۔ (بشکریہ ہفت روزہ ''ضرب مومن'')

☆☆☆

کیری لوگر بل میں امریکی امداد اس سے مشروط تھی کہ ایجنسیوں کی قید میں دینی ومذہبی افراد زیرِ حراست ہوں۔ ہتھکڑیوں پر میڈ ان امریکہ لکھا ہوتا۔ گورے بھی تفتیش کے لیے آتے رہے۔ یہ حقائق پریس کے کونے کھدروں میں جگہ پاتے رہے۔ پورے ملک کے قوانین ہم نے انسانی حقوق سلب کرنے والے بنا ڈالے۔ پرویز مشرف نے مصر بھیج بھیج کر اخوان المسلمون پر قیامت ڈھانے والی حکومتوں سے تربیت دلوائی اور مسلم دنیا میں بہتر ریکارڈ کا حامل پاکستان پولیس سٹیٹ بنا ڈالا۔ اب معاملہ جہادی تنظیموں، ان کے علماء اور قیادتوں کے ہاتھ سے نکل کر چھوٹے چھوٹے منتقم گروہوں کے ہاتھ میں جا چکا ہے۔

حراستی مراکز میں کھوئے گئے نوجوانوں کے خاندانوں، ڈرون حملوں، بمباریوں میں مارے جانے والے اور خیمہ بستیوں میں رل جانے والے خاندانوں کو جو چرکے لگے ہیں اب یہ وہی ہیں جو ہوش حواس کھو کر جا بجا پھٹ رہے ہیں۔ آپ کے میڈیا کے تجزیے، پھنکاریں، مشورے ان کے لیے پرِ کاہ کی حیثیت نہیں رکھتے جن کا سب کچھ لٹ گیا۔ اب وہ انتقام سے بھر کر وہی ذائقہ ہمیں چکھانے آتے ہیں۔ اسے اسلام اور اسلام پسندوں کے متھے لگا کر معزز خاندانوں کو چھاپوں کی نذر کر کے ہم مزید نفرت، مایوسی اور خانہ جنگی کی سوداگری کر رہے ہیں۔ وزیراعظم لندن میں دوستوں رشتہ داروں سے ملاقاتوں میں مگن ہیں۔ ملک کی پالیسی سازی بندوق والوں کا شعبہ نہیں۔ جس کا کام اسی کو ساجے۔ پائلٹ سڑک پر گاڑی بھی جہاز سمجھ کر چلاتا ہے۔ پی ایچ ڈی باپ نرسری کے بچے کو پڑھانے بیٹھے تو چلانے لگتا ہے: اتنی سی بات تمہارے پلے نہیں پڑتی۔ بی اے پاس ماں بہتر پڑھا لیتی ہے۔ اسی طرح بندوق بردار کے پاس ایک ہی حل ہوتا ہے عوام کو درست رکھنے کا.....! سویلین حکومت میٹرو عشق سے نکل کر، پارلیمنٹ ذمہ دارانہ رویہ دکھا کر اپنا کام سنبھالے۔ قہر، ظلم، جبر پر مبنی قوانین، امریکی جنگ سب سے باہر نکلے۔ 40 فیصد پاکستانی پیٹ بھر کھانے سے محروم ہیں۔ بڑوں کے پیٹ اربوں کھا کھا کر پھٹے پڑ رہے ہیں۔ سرتاپا سب کچھ بدلنے والا ہے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا..... اپنا حساب خود کر لیں قبل اس کے کہ حساب چکانے والے آ جائیں یہاں بھی اور وہاں بھی!

حقیقتوں کو چھپانے کی کاوشوں میں عطاؔ
کہانیاں ہمیں کیا کیا نہیں سنائی گئیں!

ایمان کی عظمت

مولانا ذوالفقار احمد

ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔'' یہ ایک عجیب آیت ہے کیونکہ خطاب بھی ایمان والوں کو ہے یہ تو نہیں کہا یایھا الذین کفروا اے کافرو! یہ بھی نہیں کہا یایھا الذین نافقوا اے منافقو! یہ بھی نہیں کہا یایھا الذین اشرکوا، اے مشرکو! بلکہ فرما رہے ہیں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ۔ دوسری دفعہ ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے اس کی تفسیر لکھی ہے اس کا مطلب ہے اتقوا یعنی تم تقویٰ اختیار کرو۔ ایک دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے زبان سے اقرار کرنے والو! اپنے دل سے بھی اس کی تصدیق کر لو۔

اقرار لسانی اور تصدیق قلبی

دل سے تصدیق کرنا ایک بڑا کام ہے
تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لا الٰہ الا!
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی!

کلمہ پڑھ لینے سے کام مکمل نہیں ہوتا بلکہ کام کی ابتدا ہوتی ہے۔ انسان کلمہ پڑھ کر اسلام کی حدوں میں تو داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن ایمان کامل پیدا کرنے کے لیے اعمال صالحہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کو کہتے ہیں اقرار باللسان و تصدیق بالقلب اور ایمان لانے کے بعد انسان کو انہی دو باتوں کی تلقین کی جاتی ہے۔ اقرار باللسان کا درجہ تو انسان کو کلمہ پڑھتے ہی نصیب ہو جاتا ہے۔ ہم کلمہ پڑھنے والے جتنے بھی ہیں سب کے سب اقرار باللسان میں سو فیصد شامل ہیں۔ لیکن تصدیق بالقلب میں مراتب ہیں جو جتنے نیک اعمال کرتا ہے وہ اس بات کی اتنی ہی تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا جو کامل مومن ہوگا وہ اعمال کے ذریعے اس کی سو فیصد تصدیق کرے گا اس کا کوئی عمل بھی خلاف شرع نہ ہوگا۔

کردار کے غازی بننے کی ضرورت

قول اور فعل دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ قول سے فعل تک بات پہنچانے کے لیے کچھ کر کے دکھانا پڑتا ہے۔ زبان سے بات کہہ دینا اور چیز ہے اور عمل سے اس کو ثابت کر دینا اور چیز ہے۔ آج یہی چیز تو زیادہ توجہ طلب ہے۔ ہم قال کے تو غازی ہیں مگر اعمال میں شکست کھانے والے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے بارے میں کہا:

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا، کردار کا غازی بن نہ سکا

بتانے کا مقصد یہ ہے کہ گفتار کا غازی اور چیز ہے اور کردار کا غازی اور چیز ہے۔ بلکہ علامہ اقبال اسی نظم کے مطلع میں مسلمانوں کی حالت زار پر یوں رقم طراز ہیں:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

ایمان کی نشاندہی

دراصل ایمان کی نشاندہی انسان کے اعمال سے ہوتی ہے۔ جس قدر اعمال میں پختگی ہوتی ہے اسی قدر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ پھر انسان کا عمل ہی تبلیغ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس لیے خاموش تبلیغ جتنی موثر ہے اتنی زبان تبلیغ موثر نہیں ہے۔

لمحہ فکریہ

آج جو ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ہم ذرا غور کریں کہ کیا ہماری آنکھیں مسلمان بن گئیں؟ اگر یہ مسلمان بن چکی ہیں تو یہ پھر غیر محرم کی طرف نہیں اٹھیں گی۔ اگر غیر محرم کی طرف اٹھ جاتی ہیں تو ابھی مسلمان نہیں بنیں۔ کیا یہ زبان مسلمان بن چکی ہے؟ اگر بن گئی ہے تو اس سے جھوٹ اور غیبت نہیں نکل سکتی اور اگر نکلتی ہے تو پھر ابھی مسلمان نہیں بنی۔ کیا ہمارے کان مسلمان بن گئے؟ اگر یہ بن چکے ہیں تو پھر اب خلاف شرع باتیں نہیں سن سکتے۔ اگر سنتے ہیں تو پھر ابھی نہیں بنے۔ کیا ہماری شرمگاہ مسلمان بن چکی ہے؟ اگر یہ مسلمان بن چکی ہے تو پھر اس سے خطا نہیں ہو سکتی۔ اگر خطا ہو جاتی ہے تو پھر ابھی مسلمان نہیں بنی۔ ہم اپنے ہر ہر عضو کے بارے میں سوچیں کہ ہم نے اپنے کس کس عضو کو مسلمان بنا لیا ہے اگر ہر ہر عضو گناہوں میں لتھڑا ہوا نظر آتا ہے تو سوچیے کہ مسلمانی کس چیز کا نام ہے۔ جب یہ اعضاء انفرادی طور پر ابھی مسلمان نہیں بنے تو ہم اپنے آپ کو حقیقی معنوں میں کیسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان کا مقام

دل ایمان کا محل ہے جو کہ ایمان سے بھرتا ہے۔ یہ بہت بڑی دولت ہے حتیٰ کہ انسان کے پاس اس کی جان سے بھی زیادہ قیمتی دولت اس کا ایمان ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں ایمان کی اتنی قیمت ہے کہ اگر ساری دنیا کافروں سے بھر جائے تو وہ ایک مومن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ کسی کافر کا موت کی نشانیاں دیکھ کر ایمان لانا اُسے فائدہ نہیں دے سکتا نہ اِس صورت میں جرائم سے توبہ قبول ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍۭ بِبَنِیْهِ ⑪ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ ⑫ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ⑬ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ ثُمَّ یُنْجِیْهِ ⑭﴾ (المعارج)

''روز محشر مجرم یہ تمنا کرے گا کہ کاش! میں اپنی سزا کے بدلے میں اپنا بیٹے دے دیتا، بیوی دے دیتا، خاندان والے دے دیتا، حتیٰ کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب دے دیتا اور میں جہنم سے بچ جاتا۔''

فرمایا: ''کلا'' ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔''

استقامت کی اہمیت

یقیناً یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کو بن دیکھے مانا ہے۔ اس مشکوٰۃ نبوت کو فروزاں ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ آج چاروں طرف فتنے ہیں، ظلمت ہے، فساد ہے، ہر طرف لوگ ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے تیار ہیں اور آج سیدھے راستے سے ہٹانے کے لیے لوگ موجود ہیں۔ اس وقت جو ایمان کے اوپر جما رہے وہ اللہ رب العزت کے ہاں بڑا درجے والا ہے۔

زندگی گزارنے کے دو طریقے

زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ نظر کی زندگی گزارنا، یعنی جو کچھ آنکھ دیکھتی ہے اس کو مان

لینا مثلاً آنکھ دیکھتی ہے کہ رشوت لینے میں فائدہ ہے، پیسہ آ رہا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ دھوکہ دے کر مال کماؤ، منافع زیادہ ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ ملاوٹ کرلیں تو زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ یعنی آنکھ دیکھتی ہے کہ ان کاموں میں زیادہ فائدہ ہے۔ اب جو بندہ اس پر عمل کرے گا وہ گویا مشاہدہ اور نظر کی زندگی گزارنے والا ہوگا اور دوسرا طریقہ ہے خبر کی زندگی گزارنا۔ مثلاً ایک آدمی اللہ رب العزت کے حکموں کو دیکھتا ہے، کہ ملاوٹ کرنے سے منع فرمادیا گیا ہے اس لیے نقصان کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ رشوت لینا گناہ ہے لہٰذا وہ پیچھے رک جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو دھوکہ دے کر مال حاصل کرنا گناہ ہے لہٰذا وہ پھر بھی پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس کو ایمان والی زندگی بھی کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر خبر کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے جو دین ملا اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرلیا جائے اور جو آدمی اپنی آنکھ سے دیکھتا پھرتا ہے شرعی یا غیر شرعی ہر طریقے سے فائدے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، وہ نظر کی زندگی گزارنے والا ہے۔ یاد رکھنا کہ ہماری کامیابی خبر کی زندگی گزارنے میں ہے، نظر کی زندگی گزارنے میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکموں کے ساتھ چمٹ جائیں

کفار نظر کے راستے پر عمل کرنے والے ہیں اور مومن مسلمان خبر کے راستے پر عمل کرنے والے ہیں۔ اس لیے یہ بات ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیجیے کہ ہم نے دنیا کے فائدوں کو نہیں دیکھنا بلکہ ہم نے اللہ رب العزت کے حکموں کو دیکھنا ہے۔ ہمیں جو مرضی سامنے نظر آئے حتیٰ کہ بہت سے فائدے بھی نظر آئیں تو ہم ان کو ٹھوکر لگا کر اللہ کے حکموں کے ساتھ چمٹ جائیں گے۔

انسان اور آزمائش

اللہ رب العزت کی طرف سے اس دنیا میں ہر انسان پر آزمائشیں آتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ خبر کے راستے پر زندگی گزارنے والوں کو ہمیشہ کامیاب فرمادیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ o﴾ (العنکبوت:2)

”کیا انسانوں نے یہ گمان کیا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اگر وہ کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا۔“

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ﴾ تحقیق ہم نے آزمایا ان سے پہلے والوں کو بھی ﴿فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ (۳)﴾ اور اللہ تعالیٰ کھرے اور کھوٹے کو پہچان کر رہے گا۔ لہٰذا انسان یہ گمان نہ کرے کہ ہم ایمان لے آئے اور اب ہمیں آزمایا نہیں جائے گا اور بس اتنی ہی بات کافی ہو جائے گی۔ ناں ناں ناں، بلکہ اللہ تعالیٰ آزمائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (۱۵۵)﴾

”ہم ان کو مختلف طریقوں سے آزمائیں گے اور جو ان تمام آزمائشوں میں کامیابی پائیں گے ان کو آپ بشارت سنا دیجیے۔ ثابت یہ ہوا کہ اللہ رب العزت بغیر آزمائے کسی کے ایمان کو قبول نہیں کریں گے۔“

ہر حال آزمائش کا حال

اللہ رب العزت ہر انسان کو آزماتے ہیں۔ جس کے پاس پیسہ وافر ہے، پیسہ اس کے لیے آزمائش ہے۔ جو غریب ہے اس کے لیے غربت آزمائش ہے، جس کو صحت ملی ہے اس کے لیے صحت آزمائش ہے، جو بیمار ہے اس کے لیے بیماری آزمائش ہے۔ اللہ رب العزت ہر آدمی کو مختلف حالات میں رکھتے ہیں اور جس حالت میں اس کو رکھا جاتا ہے وہ اس حال میں آزمایا جا رہا ہوتا ہے تاکہ پتہ چلے کہ وہ واقعی دل سے ایمان لانے والوں میں سے ہے یا نہیں۔ جو اچھے حال میں ہو اسے چاہیے کہ شکر ادا کرے جو برے حال میں ہو اسے چاہیے کہ صبر کرے۔ شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی ہوگا۔

ادلتے بدلتے دن

اللہ تعالیٰ انسان کو ہمیشہ ایک ہی حال میں نہیں رکھتے بلکہ ﴿وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ ج (۱۴۰)﴾ (آل عمران) ”اور ہم انسانوں کے درمیان دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں۔“ آج جس گھر میں خوشیاں منائی جا رہی ہوتی ہیں کل اسی گھر میں رونا پیٹنا ہو رہا ہوتا ہے۔ جو آج جوانی کے نشے میں مخمور ہوتا ہے کل وہی بستر علالت پر صاحب فراش ہوتا ہے۔

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائیاں وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

آزمائش میں ڈالنے کا مقصد

یاد رکھنا! آج اگر ہم نے برتن خریدنے ہوں تو ان کو بھی ٹھونک بجا کر دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح ایمان کے معاملے میں بندے کو ٹھونک بجا کے دیکھتے ہیں اور بندے کے ایمان کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔ جو کچے یقین والے ہوتے ہیں وہ پیچھے بھاگ جاتے ہیں اور فقط وہی جمے رہتے ہیں جن کا ایمان بہت مضبوط ہوتا ہے۔

ایمان کا امتحان

آزمائشیں اللہ والوں پر بھی آیا کرتی ہیں۔ پہلے زمانے میں بھی آزمائشیں تھیں اور آج کے زمانے میں بھی آزمائشیں ہیں۔ اوپر سے بارش بند ہے، نیچے سے چشمے بند ہیں اور درختوں پہ پھل نہیں ہیں۔ ایسے میں اللہ پہ یقین کیسے رکھنا۔ دوسری طرف سے امدادوں کی بھرمار لگی ہوئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ جلدی آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے دفتر سے نام کٹوا کر ہمارے دفتر میں لکھواؤ۔ ایمان کا یہاں پر مظاہرہ کرنا ہے اور کہنا ہے کہ نہیں ہم نے اللہ کو اپنا پروردگار ماننا ہے۔ اس لیے ہم اپنے ایمان سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہے ایمان کا امتحان۔ ہر دور اور ہر زمانے میں امتحان کے مختلف طریقے ہوا کرتے ہیں۔ ایک طرف بھوک پیاس نظر آ رہی ہے اور دوسری طرف مال دنیا دکھایا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ آؤ اور ہماری دعوت کو قبول کر لو۔ ہم خزانوں کے منہ کھول دیں گے۔ اب فیصلہ یہ ہونا ہے کہ یہاں پر اللہ کا بندہ کون ہے اور دنیا کا بندہ کون ہے۔ یاد رکھنا کہ ہمارا پروردگار اگر حضرت موسیٰؑ کی امت کو چالیس سال تک بغیر کسی محنت کے من وسلویٰ عطا کر سکتا ہے تو وہ پروردگار ہمیں بھی رزق عطا فرما سکتا ہے۔ اس لیے ہم اس کے خزانوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ یہ ہماری بداعمالیاں ہیں جنہوں نے رزق کے دروازوں کو بند کیا ہوا ہے۔

رزق کے دروازے بند ہونے کی اصل وجہ

انسانوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق کے دروازوں کو بند کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا (۱۲۴)﴾ ”جو اللہ کی یاد سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی معیشت کو تنگ کر دیتے ہیں۔“ اگر ہم گناہ کرنا چھوڑ دیں تو پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی کتنی برہات ہوگی۔

آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیجیے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ہر بندے کو آزمائیں گے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو جائے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں۔ ہم کمزور ہیں، آزمائش کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش آ جائے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پروردگار جو بوجھ سر پر رکھتا ہے پھر اسے اٹھانے کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (۲۸۶)﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی کی ہمت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔'' کیا ہم ایک بچے کے اوپر ایک من کا بوجھ کبھی ڈالیں گے؟ نہیں ڈالیں گے ناں۔ بلکہ کسی بچے کو کچھ وزن اٹھوانا بھی ہو تو پہلے دیکھیں گے کہ یہ بچہ اتنا وزن اٹھا سکے گا یا نہیں۔ جب ہم جیسے لوگ بھی اس بات کو دیکھتے ہیں کہ اتنا بوجھ بچے پر ڈالنا مناسب نہیں تو اللہ رب العزت بھی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ سر پر بوجھ بعد میں ڈالتے ہیں اور اسے اٹھانے کی ہمت پہلے دے دیتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی آزمائش آ بھی جائے تو اسے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیجیے اور دل میں کہیے۔

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ یہ تیری دی ہوئی چیز ہے

اس لیے آزمائش پہ ثابت قدم رہیے۔ یہ امتحان پہلے بھی ہوئے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

سب سے قیمتی دولت

ایمان کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بڑی دولت ہے جو پروردگار نے ہمیں عطا کر دی ہے۔ اس لیے ہمیں اس کی حفاظت کی ہر وقت فکر رہنی چاہیے۔ ہم اس ایمان کو قیمتی سمجھیں اور اس کے مقابلہ میں کوئی بھی چیز آئے تو اس کو ٹھوکر لگا دیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت سے اس نعمت کی حفاظت مانگا کریں کہ اے اللہ! ہمیں اس نعمت کی حفاظت کی توفیق نصیب فرما۔ جان اتنی قیمتی نہیں، عزت اتنی قیمتی نہیں بلکہ ایمان سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس لیے ہم اللہ تعالیٰ پر پکا ایمان رکھیں۔ ہمیں اللہ کے محبوب ﷺ نے جو کچھ بتایا، ہم اس کے اوپر پکے رہیں۔ اس سے انسان اللہ رب العزت کے مقبول بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

وقت کی ایک اہم ضرورت

یاد رکھیے کہ آج کے دور میں اتنے فتنے موجود ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں احد پہاڑ جیسا ایمان ہے وہ بھی ایسے لرزاں اور ترساں نظر آتے ہیں جیسے انہیں ہر لمحے اپنے مرتد ہو جانے کا خوف ہو اور عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہے وہ اس کی حفاظت سے بھی غافل ہیں اور انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ہمارے پاس کتنی بڑی دولت موجود ہے۔ اس لیے ایمان کی اہمیت کا دل میں ہونا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

ایمان جیسے چٹان

یاد رکھنا، کہ جو چیزیں ہلکی ہوتی ہیں وہ پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہیں۔ جیسے لکڑی، گھاس، تنکے، کاغذ وغیرہ۔ کیا چٹانیں بھی پانی کے ساتھ بہتی ہیں؟ نہیں بلکہ وہ پانی کے رخ کو موڑ دیا کرتی ہیں۔ میرے دوستو! آج بے راہ روی، فحاشی اور عریانی کا دریا بہہ رہا ہے، آپ چٹان بن جائیے اس کے ساتھ بہنے کی بجائے اس کے رخ کو موڑ دیجیے۔

یاد کرتا ہے زمانہ ان انسانوں کو
روک دیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو

الحمدللہ ہم مؤمن ہیں اس میں ہمارا کمال نہیں ہے بلکہ یہ اس کمال والے پروردگار کا کمال ہے کہ اس نے ہمیں یہ نعمت عطا کر دی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس نعمت پر پکے ہو جائیں اور پوری زندگی اسی ایمان کی محنت پر لگا دیں، پھر دیکھنا کہ اللہ رب العزت کی طرف سے کیسی مدد اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔

قلت اور کثرت کا چکر

ایمان قلت اور کثرت کو نہیں دیکھتا۔ ابھی ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ ہم بہت تھوڑے ہیں، ارے تھوڑے لوگوں کا کیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲۴۹)﴾ (البقرۃ) جب اللہ رب العزت کی مدد شامل حال ہوتی ہے تو اللہ رب العزت چڑیوں سے باز مروا دیا کرتے ہیں۔ اس لیے تعداد اور وسائل کو نہ دیکھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کو دیکھیں، جب مدد اتر آئے گی تو ان شاء اللہ کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

اسلام اور ایمان کی کیفیت میں فرق

اسلام لانے کا مطلب فرمانبرداری کے لیے تیار ہو جانا ہے۔ ایک منافق آدمی اگر ظاہراً کلمہ پڑھتا ہے تو اس کو مسلمان کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ ایمان سے خالی ہوتا ہے۔ اسلام اور ایمان میں فقط کیفیت کا فرق ہے۔ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے اور ایمان کا تعلق باطن سے ہے۔ جو کوئی آدمی ریاکاری یا دھوکہ دینے کی نیت سے کلمہ پڑھے تو شرع میں اس کو مسلمان سمجھا جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مومن نہیں ہوگا۔ جیسے کہ منافقین کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے لیکن ﴿وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (۱۴)﴾ (البقرۃ) جب وہ اپنے شیطان دوستوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم مسلمانوں سے مذاق کرتے تھے۔

منافقین کا احسان جتلانے کا واقعہ

بنو اسد نامی ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے لوگوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر کلمہ پڑھا اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے اپنے ایمان لانے کا احسان جتلانے لگے۔ درحقیقت وہ دل سے مسلمان ہوئے ہی نہیں تھے۔ مال دنیوی کی منفعت حاصل کرنا ان کا مقصد تھا۔ لہٰذا وہ کہنے لگے کہ یہ دوسرے قبیلے والے آپ سے لڑائیاں لڑتے رہے اور بعد میں مسلمان ہوئے، لیکن ہم لوگ بغیر لڑائی کے مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں۔'' ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ ''اور ابھی تمہارے دلوں میں ایمان کامل پیدا نہیں ہوا۔'' ﴿وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ اور اگر تم اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تو ﴿لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ﴾ وہ کمی نہ کرے گا تمہارے کاموں میں کچھ بھی ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۴)﴾ (الحجرات) بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے زبانی دعووں کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال سے اپنے آپ کو کیا ظاہر کرتے ہیں۔ زبان سے تو ہم دوسروں کو بھی نصیحت کر رہے ہوتے ہیں لیکن ہمارے عمل سے کتنے لوگ نصیحت پاتے ہیں۔ ☆☆

آج مسلمان زیر عتاب کیوں؟

رضی الدین احمد صدیقی

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ آپؐ کی زندگی کیا تھی؟ آپؐ چلتا پھرتا قرآن تھے۔ قرآن کے ہر حکم پر آپؐ کاربند تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے آپؐ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپؐ سراپا قرآن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان پر عمل پیرا رہے تو گمراہ نہ ہوگے: ایک قرآن دوسرا میری سنت۔ مسلمانوں نے جب تک قرآن و سنت کو اپنا راہ نما بنایا دنیا میں معزز اور محترم رہے، مگر جب خواہش نفس پر عمل کرنے لگے، اطاعت اللہ اور اطاعت رسول کو چھوڑ بیٹھے تو عذاب الٰہی کا مورد ہوئے۔

اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اگر آج بھی مسلمان کتاب و سنت کو ہر معاملے میں اپنا راہ نما بنالیں تو ذلت و نکبت سے نکل کر عزت و عظمت حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر اسلامی معاشرہ تو نیک و بد میں تمیز چھوڑ بیٹھا ہے، جس کے نتیجے میں ذلت و خواری اس پر چھا گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے شکایت کریں گے: ﴿یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾﴾ (الفرقان) ''اے ربّ! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا'' کیا یہ بداطوار مسلمانوں کی سفارش ہے؟

آج کے مسلمان اپنے کرتوتوں کے سبب عذاب الٰہی کے شکنجے میں ہیں۔ چند ایک نافرمانیاں ملاحظہ ہوں:

سودی معیشت

سودی لین دین سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾﴾ (آل عمران)

''اے اہل ایمان! سود مت کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا، اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۷۵)

''جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص جس کے حواس کھو دیے ہوں جن نے لپٹ کر۔ یہ حالت ان کی اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے کہا سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا۔ حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو۔''

اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جس کے سامنے ہم نے پیش ہونا ہے۔ سود نہ چھوڑنے کی وعید اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ سنائی ہے:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ﴾ (البقرۃ:۲۷۹)

''پھر اگر تم (سود) نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اُس کے رسول سے۔''

لیکن سودی کاروبار علی الاعلان ہو رہا ہے۔ اسے حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ کیا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے والی بات نہیں؟

قتل ناحق

ناحق قتل کی برائی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳۲)

''جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلاعوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو۔''

آج قتل کی وارداتوں کی خبروں کے ساتھ اخبارات کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ معمولی معمولی باتوں پر مسلمان مسلمان کو قتل کر رہا ہے۔ حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق ایسا بھی ہو رہا ہے کہ قاتل کو نہیں پتا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول نہیں جانتا کہ اسے کیوں قتل کیا جا رہا ہے۔ کئی لوگ اندھی گولی کا نشانہ بن رہے ہیں۔ غور کیجیے ع کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ یہاں بھائی کو دوسرا بھائی ناحق گولیوں کا نشانہ بنا رہا ہے۔

حرام روزی

رزق حلال کی اہمیت جتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (النساء:۲۹)

''اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق۔''

مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ محنت کے ساتھ اپنی روزی کمائے۔ لین دین میں دھوکہ دہی اور جھوٹ نہ ہو۔ دوسروں کے ساتھ اس کا برتاؤ اعلیٰ اخلاق کا آئینہ دار ہو۔ لیکن آج ہر طرف رشوت خوری، بددیانتی، جھوٹ اور دھوکے کا بازار گرم ہے۔ بااثر لوگ بے سہارا لوگوں کے مال پر ناجائز قبضہ کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کو بھولے ہوئے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی ہوگی اور حق تلفیوں کی سزا ملے گی۔ یہ طرز عمل یقیناً فساد فی الارض کا باعث ہے اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔

نفاذ شریعت سے انحراف اور جھوٹی گواہی

اللہ تعالیٰ نے جھوٹی گواہی دینے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو عباد الرحمٰن کی صفت بتائی ہے کہ:

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ (الفرقان:۷۲)

''اور وہ لوگ جو جھوٹ پر گواہ نہیں بنتے۔''

جب گواہ جھوٹ بولے گا تو انصاف کیسے ہوگا؟ لہٰذا فیصلے سچ کی بنیاد پر نہیں ہو رہے۔ ہماری عدالتوں میں بھی فیصلے اسلامی قانون کے مطابق نہیں ہو رہے، بلکہ قرآن و سنت کو چھوڑ کر غیروں کے قانون کے مطابق عدالتی نظام چل رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ ..... هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ ..... هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾

''اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں..... وہی تو ظالم ہیں..... وہی تو

فاسق ہیں۔''

شریعت کو مذاق بنایا جا رہا ہے۔ ایک عدالت کئی مہینوں یا سالوں کے بعد ایک مجرم کو سزائے موت کا حکم سناتی ہے۔ صدر مملکت عدالت کی کارروائی کو چھوڑتے ہوئے مجرم کو بری کر دیتا ہے۔ صدر مملکت کو یہ اختیار کس نے دیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث اور عذاب کا موجب ہے۔

فرقہ بندی

مسلمان فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہر فرقہ دوسرے فرقے کا دشمن ہے' اس کے افراد کو قتل کرنا جائز سمجھتا ہے' حالانکہ وہ بھی کلمہ گو مسلمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

(آل عمران:۱۰۳)

''اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔''

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴾ (آل عمران)

''اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو صاف حکم، اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

آپس کے اختلاف کو برداشت کرو۔ اگر تنازعہ ہو جائے تو قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾

(النساء:۵۹)

''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں اختلاف رائے ہو جائے تو اسے لوٹا دو اللہ اور رسول کی طرف''

جب مسلمانوں کے سارے فرقے قرآن کو کتاب اللہ تسلیم کرتے ہیں تو اس کے فیصلوں کو کیوں نہیں مانتے؟ جب قرآن کا فیصلہ آ جائے تو سب کو اپنی بات چھوڑ کر قرآن کے فیصلے پر متفق ہو جانا چاہیے اور اپنی رائے قطعاً چھوڑ دینی چاہیے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵﴾ (النساء)

''سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مؤمن نہ ہوں گے' یہاں تک کہ آپ ہی کو منصف مانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی آپ کے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے۔''

جو مسلمان رسول ﷺ کے فیصلے کو نہیں مانتا تو وہ کیسا مسلمان ہے!

بے پردگی

قرآن مجید میں عورتوں کو پردے کا حکم ہے، مگر آج مسلمان عورتیں پوری سج دھج کے ساتھ اور نامناسب لباس میں بے پردہ بازاروں میں گھوم پھر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کی بیویوں' بیٹیوں اور مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہے اور کون سی عورت اس حکم سے مستثنیٰ رہ سکتی ہے؟ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ﴾ (الاحزاب:۵۹)

''اے نبی! کہہ دیجئے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو' نیچے لٹکائیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔''

الغرض مسلمان بڑی ڈھٹائی کے ساتھ قرآن و سنت کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ ان کا یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور نتیجتاً مسلمان اللہ کے عذاب کی زد میں ہیں۔ ان پر غیر قومیں مسلط ہیں۔ اس طرح وہ ذلت وخواری کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

فحاشی وعریانی

فحاشی کا چرچا عام ہے۔ قرآن مجید فحاشی وعریانی کو شیطانی عمل قرار دیتا ہے۔ جبکہ ہمارے اخبارات اور ٹی وی چینلز فحاشی وعریانی کو فروغ دے رہے ہیں۔ بازاروں اور سڑکوں پر جابجا عورتوں کی نیم برہنہ تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ عورت وہ جنس ہے کہ جس کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ﴾

(النور:۱۹)

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں اُن کے لیے عذاب ہے دردناک دنیا میں اور آخرت میں۔''

یہ چند ایک بنیادی باتیں ہیں، جو بہت نمایاں ہیں، ورنہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں کتاب وسنت کی خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو۔ پھر معاشرہ اللہ کے عذاب کی زد میں کیوں نہ ہوگا؟

❁❁❁

ضرورت رشتہ

☆ خلع یافتہ لڑکی، عمر 32 سال، الھدیٰ اسلام آباد میں تعلیم القرآن کلاس کی ٹیچر کے لئے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار پڑھے لکھے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0345-8513060

☆ بچی، عمر 20 سال، تعلیم، بی اے، رنگ سانولا امور خانہ داری کی ماہر، خوب سیرت، پردہ کی پابند کے لیے 25 سال تک دینی مزاج کے حامل کے برسرروزگار، تعلیم یافتہ (پردہ دار گھرانے سے) لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ لاہور کے رہائشی افراد کو ترجیح دی جائے گی۔ صرف والدین رابطہ کریں۔ برائے رابطہ: 0300-4662585

0303-9624622

دعائے مغفرت

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ حلقہ اسلام آباد کی تنظیم چک شہزاد کے ملتزم رفیق سعید خان کے والد وفات پا گئے۔

☆ حلقہ ملاکنڈ کے ناظم مالیات تنظیم الحق کے والد وفات پا گئے۔

☆ حلقہ پنجاب شمالی کے معتمد محمد ندیم علوی کی پھوپھی وفات پا گئیں۔

☆ حلقہ پنجاب شمالی کے ملتزم رفیق جناب عبدالغفار کی والدہ وفات پا گئیں۔

☆ مقامی تنظیم واہ کینٹ کے رفیق محمد صادق خان کی والدہ وفات پا گئیں۔

☆ حلقہ کراچی شمالی وسطی کے رفیق جناب غلام دستگیر رحلت فرما گئے۔

☆ حلقہ ملاکنڈ، داروڑہ کے ملتزم رفیق حاجی خائستہ اللہ وفات پا گئے۔

اللہ تعالیٰ مرحومین ومرحومات کی مغفرت فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ
فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

❁❁❁

دیس نہیں، پردیس

حافظ محمد زاہد

ایک انسان جب کسی دوسرے ملک میں روزگار کے لئے جاتا ہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہاں وہ خوب محنت کرے اور زیادہ سے زیادہ مال کمائے۔ وہ وہاں جو مال کماتا ہے تو اسے وہیں انوسٹ نہیں کرتا بلکہ اپنے دیس بھیجتا رہتا ہے، تاکہ جب وہ اپنے دیس واپس جائے تو اپنے بھیجے ہوئے مال کے ذریعے عیش و عشرت والی زندگی نہ سہی لیکن کم از کم عزت اور سکون والی زندگی تو گزار سکے۔ وہ وہاں کئی سال رہنے کے بعد بھی اس اجنبی ملک کو اپنا ''دیس'' نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ بالآخر اُسے اپنے آبائی دیس واپس جانا ہے۔

یہی حیثیت دنیا اور آخرت کی بھی ہے کہ یہ دنیا ہمارے لئے دیس نہیں، پردیس ہے۔ ہمارا دیس تو وہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہے جہاں اس دنیا میں کمائے ہوئے اعمال کے سبب ہماری کامیابی اور ناکامی کے فیصلے ہوں گے۔ ہم اس دنیا میں جتنے سال مرضی گزار لیں، لیکن بالآخر ہمیں یہاں سے جانا ہی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس پردیس میں رہتے ہوئے اپنے دیس کے لئے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائیں اور انہیں اپنے دیس کے لئے ذخیرہ کرتے رہیں تاکہ جب ہم واپس اپنے دیس جائیں تو وہاں ہمارے پاس اعمال کا کم از کم اتنا ذخیرہ تو ہو کہ جس سے ہم اپنے رب کو راضی کر سکیں اور کامیابی ہمارے قدم چومے۔

قرآن پاک کی بے شمار آیات ایسی ہیں جن میں اس دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی ابدیت کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ المؤمن میں مؤمن آل فرعون کی تقریر نقل کی گئی ہے، جس میں اس نے آل فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝۳۹﴾

''اے میری قوم! یہ حیات دنیا ایک متاع فانی ہے اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے۔''

ہمارے آقا محمد عربی ﷺ (جو قرآن کی عملی تفسیر ہیں) نے اس دنیا کی بے ثباتی کو تواتر سے بیان کیا اور اپنے صحابہ کو اس بارے میں اتنی نصیحتیں اور وصیتیں کیں کہ ان کے دلوں سے دنیا کی محبت جاتی رہی اور پھر ان کی ساری محنت اور جدوجہد صرف اور صرف آخرت کے لئے رہ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کندھے کو پکڑ کر فرمایا:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ))

(صحیح بخاری)

''دنیا میں ایسے رہو گویا پردیس میں ہو یا (گویا تم) ایک راہ گیر ہو۔''

اس حدیث کے آخر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اس نصیحت اور وصیت کے بعد وہ کہا کرتے تھے:

إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ

''(اس دنیا میں) کوئی شام مل جائے تو صبح کا انتظار مت کرو اور صبح مل جائے تو شام کی آس مت رکھو۔ صحت میں بیماری کا بندوبست کر لو اور زندگی میں موت کا۔''

نبی کریم ﷺ کی ان وصیتوں کی عملی تفسیر ''فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم'' ہیں جنہوں نے اس دنیا کے مال و متاع کے ذخیرہ کرنے کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے دیا۔ مثلاً ایک آدمی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے ہاں آیا اور گھر میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا: آپ کا سامان کہاں ہے؟ ابوذر کہنے لگے: ہم نے دراصل ایک دوسرا گھر لے لیا ہے اور کچھ ہی دیر میں وہاں منتقل ہو رہے ہیں۔ آدمی نے پھر کہا کہ جب تک آپ یہاں ہیں آپ کا سامان یہاں ہونا چاہئے۔ ابوذر فرمانے لگے: مالک مکان معلوم نہیں کب ہمیں یہاں سے نکال دے۔

اسی طرح اولیاء اللہ نے بھی اپنے پیروؤں کو اس دنیا کو پردیس جانتے ہوئے اس میں مسافر کی طرح رہنے کی ہدایات کی ہیں۔ مثلاً حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مومن کے لئے دنیا پردیس ہے۔ یہاں اسے کم درجہ ملے تو اسے اس پر ہائے دہائی کی کیا ضرورت' یہاں بلند درجہ پانے کے لئے دنیا والوں کے ساتھ دوڑ لگانے کی اسے کیا حاجت؟ لوگ یہاں کسی اور فکر میں رہتے ہیں اور یہ کسی اور فکر میں۔''

یہ دنیا کی زندگی ہمارے لئے ایک امتحان گاہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ سورۃ الملک میں زندگی اور موت کی تخلیق کا مقصد واضح کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

﴿اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ﴾ (آیت:2)

''(اللہ ہی وہ ذات ہے) جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو، تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون نیک عمل کرتا ہے۔''

جس طرح عام دستور ہے کہ امتحانی پرچے میں ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس وقت مقررہ کے ختم ہونے پر پرچہ لے لیا جاتا ہے اور ممتحن پرچہ چیک کر کے امیدوار کے نتیجے کا اعلان کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح یہ زندگی بھی ایک امتحان گاہ ہے۔ اس میں بھی ایک وقت مقرر ہے اور وقت مقررہ کے بعد انسان سے پرچہ لے لیا جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ پرچہ (اعمال نامہ) کو چیک کرے گا اور پھر انسان کی کامیابی یا ناکامی کا اعلان کیا جائے گا۔ بس فرق اتنا ہے کہ اگر کوئی انسان دنیا میں ایک دفعہ ناکام ہو گیا تو اس کے پاس دوبارہ امتحان دینے کا موقع موجود ہوتا ہے جبکہ زندگی کے امتحان میں ناکامی کے بعد دوسرا کوئی موقع انسان کو نہیں ملے گا۔

الغرض جب یہ دنیا ایک مؤمن کے لئے دیس کی حیثیت نہیں رکھتی اور محض ایک امتحان گاہ ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کی گئی وصیت کے مطابق دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہیں یا ایک پردیسی کی طرح (کیونکہ ان دونوں کو پتا ہوتا ہے کہ ہمارا قیام یہاں کچھ وقت اور کچھ مدت کے لئے ہے اور ہمیں ہر صورت میں واپس جانا ہے) اور ہر لحہ اپنی آخرت کی فکر کرتے رہیں تاکہ ابدی زندگی میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دنیا کو دیس کے بجائے پردیس سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

وفاقی شرعی عدالت کے سود کے حوالہ سے 14 سوال اور ان کے جوابات (قسط:8)

2002ء سے سپریم کورٹ کے شریعت ایپلیٹ بنچ کی جانب سے ریمانڈ شدہ انسداد سود کا ایک نہایت اہم مقدمہ فیڈرل شریعت کورٹ کے پاس معرض التوا میں پڑا تھا، جسے اب کورٹ میں تنظیم اسلامی کی کوششوں سے سماعت کے لیے فکس کر دیا گیا ہے۔ اب تک اس ضمن میں چار مختصر سماعتوں کی نوبت آ چکی ہے۔ کورٹ کی جانب سے معاملے کی وضاحت کے لیے چودہ سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ جاری کیا گیا تھا جس کی روشنی میں فاضل عدالت ازسرِنو فیصلہ سنائے گی۔ ان سوالات کے جوابات شعبہ تحقیق کے سربراہ حافظ عاطف وحید نے اہل علم کی آراء کی روشنی میں تیار کیے ہیں اور انہیں کورٹ میں ''داخل دفتر'' کروا دیا گیا ہے۔ معاملے کی اہمیت کے پیش نظر اور ابلاغ عامہ کی غرض سے ان سوالات کے جوابات قارئین کے لیے بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

Question 8: What is your opinion regarding the permissibility or otherwise of indexation keeping in view the devaluation and inflation during the period of borrowing with specific reference to the juristic views of contemporary jurists.

ترجمہ: انڈیکسیشن کے جائز یا ناجائز ہونے کے حوالے سے آپ کی کیا رائے ہے؟ معاصر فقہاء کے قانونی نکات کو خاص اہمیت دیتے ہوئے قرض کی مدت کے دوران کرنسی کی قیمت میں کمی (ڈی ویلیوایشن) اور افراطِ زر جیسے عوامل کو مدنظر رکھ کر وضاحت کیجیے۔

جواب: انڈیکسیشن سے مراد یہ ہے کہ قرض دار کو اس نقصان کی تلافی کرنی چاہیے جو افراطِ زر اور اس کے سبب سے کرنسی کی قوتِ خرید میں پیدا ہونے والی کمی کی صورت میں قرض خواہ کو اٹھانا پڑتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے جواز کے لیے اُس قانون تضامن و ہرجانہ (Indemnity) کا حوالہ دیا ہے جس کی رُو سے جو شخص کسی دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے اسی پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ اس کی دادرسی بھی کرے۔ لیکن افراطِ زر اور اس کے زیر اثر جو نقصان قرض خواہ کی دولت کو پہنچتا ہے' اسے کسی طرح بھی قرض دار کا فعل سمجھا نہیں جا سکتا۔ ایسی صورت میں قرض لینے والے کو کیسے ذمہ دار قرار دے کر اس سے تلافی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے' ایسا کوئی بھی نظام قرض دار کے لیے ضرر رساں ہوگا۔ پھر یہ کہ شریعت کسی بھی صورت میں اصل زر کے علاوہ کوئی بھی مشروط اضافہ جائز قرار نہیں دیتی۔ قرض خواہ کی جانب سے انڈیکسیشن کی مد میں وصول کی گئی اضافی رقم پر اس حدیث مبارکہ کا اطلاق ہوتا ہے جس کی رُو سے کسی قرض کو مالیاتی فائدے سے مشروط کرنا ایک طرح کا ربا ہے۔

تاہم' دورِ حاضر کے فقہاء قرضوں کی انڈیکسیشن کے جواز پر مختلف آراء رکھتے ہیں۔ علماء کا ایک طبقہ جس میں رفیق المصری' سلطان ابوعلی' ایم اے منان' ضیاالدین احمد' عمر زبیر اور گل محمد شامل ہیں' انڈیکسیشن کو جائز سمجھتا ہے۔ انہیں اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جو شرعی قوانین سے متصادم ہو' بلکہ وہ اسے قرآن وسنت میں بیان کردہ انصاف کے اصولوں کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ اس کے برعکس' بعض علماء ایسے بھی ہیں جو انڈیکسیشن کو اسلامی تعلیمات کے منافی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انڈیکسیشن درحقیقت قرض پر معین منافع کا حصول ہے اور یہ شریعت میں مذکور ان اصولوں سے بھی رُوگردانی کرتا ہے جو قرضوں کی ادائیگی سے متعلق ہیں۔ اس نقطۂ نظر کے حامل سکالرز میں محمد عمر چھاپرا' منظر کہف' ایم نجات اللہ صدیقی' محمد حسن الزماں' مولانا تقی عثمانی' علی احمد سلوس اور بعض دوسرے نامور علماء شامل ہیں۔

شریعت ایپلیٹ بنچ 1999ء کے فیصلے میں عدالت عظمیٰ نے یہ کوشش کی ہے کہ دورِ حاضر کے اسلامی فقہ میں مختلف مسائل کے حوالے سے موجود متضاد نقطہ ہائے نظر کے درمیان اعتدال کا راستہ اپنایا جائے۔ افراطِ زر کی صورت میں معزز عدالت قرض کی انڈیکسیشن کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ کسی بھی نظامِ معیشت میں افراطِ زر ایک معمول کا عمل ہے۔ تاہم' hyper inflation کی صورت میں عدالت قرض دہندہ کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے کہ اسے پہنچنے والے بھاری نقصان کی تلافی کی جانی چاہیے۔ اس مقصد کے لیے غبن فاحش کا اصول متعارف کرایا گیا ہے تاکہ قرض خواہ کے اس نقصان کا ازالہ ہو سکے جو hyper inflation کے سبب کرنسی کی قوت خرید میں کمی سے اسے پہنچتا ہے۔ hyper inflation کی صورت میں قرض دہندہ کو بہت زیادہ خسارہ ہوتا ہے کیونکہ اسے قرض دار سے جو رقم ملتی ہے اس کی قدر قرض کے طور پر دی گئی اصل رقم سے بہت کم ہوتی ہے۔

غبن فاحش سے مراد کسی معاہدے کے ایک فریق کو پہنچنے والا وہ بڑا خسارہ ہے جس کا اندازہ ماہرین نہیں لگا سکتے۔ بنیادی طور پر غبن فاحش کا تعلق کسی شے کی فروخت کے ایسے معاہدے سے ہے جس میں بیچنے والا شخص خریدار سے غیر معمولی منافع کماتا ہے۔

عدالت نے فروخت کے سودے میں خریدار کو بیچنے والے نقصان کی تعدیل اس گھاٹے کے ساتھ کی ہے جس سے قرض خواہ hyper inflation کے نتیجے میں دوچار ہوتا ہے۔ لہٰذا عدالت کی نظر میں' کرنسی کی قوت خرید میں کمی کے معاملے کو غبن فاحش کے روایتی تصور پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں' عدالت نے یہ قرار دیا ہے کہ hyper inflation کی سطح تک پہنچنے والے افراطِ زر پر غبن فاحش کا اصول لاگو کیا جانا چاہیے اور ایسے اقدامات اٹھانے چاہئیں جن سے قرض خواہوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ یہاں فلوس (تانبے کا سکہ) کے حوالے سے فقہاء نے جو اصول مرتب کیا ہے' اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ (تفصیلی فیصلہ از جسٹس خلیل الرحمٰن' ص 366)

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تانبے کے سکے کی گردش رک جائے یا فلوس کی وقعت اس کی قدر عرفی کے مقابلے میں کافی کم ہو جائے تو پھر وسیلۂ مبادلہ اور store of value کے طور پر ان کی حیثیت ختم ہو

جائے گی' اور انہیں ثمن اصطلاحی یا زرِ قانونی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں' سوداکاری کے وقت رائج فلوس کی اصل قیمت ادا کرنا ہوگی۔ جب تک کرنسی کی قدر افراطِ زر کی معمول کی اُن حدود کے اندر رہے گی جنہیں اس اصول کے تحت طے کیا گیا ہے' اس کی latent value میں کسی قسم کے فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام لین دین' ادائیگیاں اور repayments کرنسی کی قدرِ عرفی کی بنیاد پر ہوں گی۔ تاہم' جیسے ہی افراطِ زر مقررہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے hyper inflation کے حلقے میں داخل ہوگا' یہ غبن فاحش کا سبب قرار پائے گا۔ یہ ایک استثنائی صورتحال ہے جسے عمومی حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

عہدِ حاضر کے مسلم سکالرز کو درپیش افراطِ زر جیسے اہم مسئلے کے سلسلے میں معزز عدالت کی یہ توضیح ایک قابل قدر اجتہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ مسئلے کے حل کے لیے یہ ایک معتدل اور متوازن نقطۂ نظر ہے۔ عدالت نے معمول کے افراطِ زر میں قرض خواہ کے نقصان کی تلافی کا حق تسلیم نہیں کیا جبکہ hyper inflation میں یہ گنجائش رکھی ہے کیونکہ مؤخرالذکر صورت میں افراطِ زر کی شرح منصفانہ حدود سے تجاوز کر جاتی ہے۔

Question 9: What is meant by "Ra'as-ul-Mal" as appeared in the Holy Quran? It is fact that the value of the paper currency has a trend of decrease in the inflationary situation. If a debtor who has borrowed a particular amount of paper currency repays the same amount to his creditor after a lapse of substantial time, the creditor can suffer the effects of inflaction. If he demands his debtor to pay more in order to compensate him for loss of value, he has suffered, can this demand be treated as a demand of Riba?

ترجمہ: قرآن حکیم میں ''راس المال'' کی اصطلاح کن معنوں میں استعمال ہوئی ہے؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ افراطِ زر کے ماحول میں کرنسی کی قدر میں کمی کا رجحان ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے کرنسی کی صورت میں ایک مخصوص رقم ادھار لے کر کافی عرصے کے بعد اتنی ہی رقم واپس کرتا ہے تو قرض خواہ افراطِ زر کے منفی اثرات سے محفوظ نہیں رہ پائے گا۔ اگر وہ قرض دار سے یہ تقاضا کرے کہ اسے کرنسی کی قدر میں کمی کے سبب پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لیے زیادہ رقم ادا کی جائے تو کیا اس قسم کا مطالبہ ربا کے ذیل میں شمار ہوگا؟

جواب: ''راس المال'' ایک مخصوص اصطلاح ہے۔ یہ قرآنی اصطلاح معاملۂ قرض کے اصل زر کو ظاہر کرتی ہے' قطع نظر اس کے کہ قرض کی رقم صرفی مقاصد کے لیے دی گئی ہے یا پیداواری مقاصد کے لیے۔ یہ اصطلاح رقم کی نفسی قدر (intrinsic value) کے لیے کبھی بھی استعمال نہیں ہوتی' کہ اس سے کسی بھی صورت میں قرضوں کی انڈیکسیشن کا جواز نکالا جاسکے۔

قرآن حکیم میں رأس المال سے مراد اصل مال ہے جو قرض خواہ مقروض کو بوقت قرض دیتا ہے۔ اسلام اس میں کسی بھی قسم کے اضافے کو سود قرار دیتا ہے۔ راس المال کا ذکر اور اس کی تعریف خود قرآن حکیم نے کر دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ○

(البقرۃ: ۲۷۹)

پھر اگر ایسا نہ کرو تو سن لو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو، نہ تو کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے ساتھ کوئی ظلم کرے۔

اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر تم سود سے توبہ کر لو تو تمہارے راس المال تمہیں مل جائیں گے اور تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی تم پر ظلم کرنے پائے گا۔ آیت کریمہ کے اس حصے نے واضح کر دیا کہ رأس المال سے زیادہ وصول کرنا سود ہے اور یہ مقروض پر ظلم ہے اور اس میں کمی کرنا یہ قرض خواہ پر ظلم ہے لہٰذا ''لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ'' کا مطلب یہ ہوا کہ مقروض قرض خواہ کی اصل رقم میں کمی نہ کرے اور قرض خواہ اصل رقم پر اضافہ نہ لے۔ تمام جید مفسرین کرام نے اس کی وضاحت یوں ہی کی ہے کہ ''لَا تَظْلِمُوْنَ'' سے مراد یہ ہے کہ زیادتی نہ کرو اور ''وَلَا تُظْلَمُوْنَ'' سے مراد یہ ہے کہ رأس المال میں کمی نہ کی جائے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر روح المعانی، تفسیر جامع البیان۔

بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں افراطِ زر کی شرح روز افزوں ہے۔ جس سے قرض خواہ اگر اپنی اصل رقم یعنی رأس المال پر کوئی اضافہ نہ لے تو اس کے رأس المال کی قیمت خرید چند سال بعد کم ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے اسے نقصان ہوگا۔ لہٰذا بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اشاریہ بندی یعنی Indexation کے ذریعے اس نقصان کی تلافی ضروری ہے اس لیے اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوگا اور یہ قرآنی حکم ''لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ'' کی تعبیر ہے۔

ان معاصر اہل علم میں رفیق المصری، سلطان ابوعلی، ایم اے منان، ضیاء الدین احمد، عمر زبیر اور گل محمد کے نام شامل ہیں جبکہ کئی معاصر علماء قرضوں کی انڈیکسیشن کے حامی نہیں ہیں۔ ان میں محمد عمر چھاپڑہ منظر کیف، ایم نجات اللہ صدیقی، محمد حسن الزماں، مولانا تقی عثمانی اور علی احمد سلوس سمیت دیگر بھی شامل ہیں۔

ہم بھی درج ذیلہ عقلی و نقلی دلائل کی بنیاد پر مؤخر الذکر نکتہ نظر کے حاملین معاصر علماء سے موافقت اختیار کرتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے تو یہ تعین کیا جانا ضروری ہے کہ افراطِ زر یا تخفیف قدرِ زر کی صورت میں روپے کی قوت خرید میں جو کمی واقع ہوتی ہے کیا وہ مقروض کی کسی کوتاہی یا غلطی کا نتیجہ ہے۔ جو اسے قرضوں کی انڈیکسیشن کی صورت میں تاوان ادا کرنے پر مجبور کیا جائے؟ ادنیٰ تأمل سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں صورتیں کسی مقروض کے اختیار میں نہیں اور نہ ہی اس کی کسی غلطی کی وجہ سے ملک میں افراطِ زر میں اضافہ ہو رہا ہے یا ہماری کرنسی کی قدر گھٹتی چلی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ تو ہمارے حکمرانوں کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے جو آئے دن اربوں روپے کے نئے نوٹ چھاپ کر ملک میں مہنگائی اور افراطِ زر کو فروغ دے رہے ہیں۔ آج بھی ترقی یافتہ ممالک میں نہ تو افراطِ زر کی شرح ہمارے جیسی ہے اور نہ ہی ان کی کرنسیاں اس قدر غیر مستحکم ہیں۔ خود پاکستان کی کرنسی ایک خاص وقت تک مستحکم رہی ہے۔ افراطِ زر کی بڑھتی ہوئی شرح اور تخفیف قدرِ زر کی ذمہ داری مقروض پر ڈالنا قرین انصاف نہیں ہے۔ اصول یہ ہے کہ ہر کوئی اپنا بوجھ اٹھائے گا کسی پر کسی کی غلطی یا کوتاہی کا بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا ہے۔

لہٰذا افراطِ زر یا تخفیف قدرِ زر کی صورت میں کرنسی کی قوت خرید میں جو کمی واقع ہوتی ہے اس کی تلافی کے لیے مقروض کو پابند کرنا ہرگز قرین انصاف نہیں ہے۔

۲۔ یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بفرضِ محال کوئی قرض خواہ اپنی رقم بطور قرض نہیں دیتا تو کیا وہ اپنی اس رقم کو افراطِ زر اور تخفیف قدر زر کے اثرات سے بچا سکے گا؟

یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس کئی اور راستے موجود ہیں جن کے ذریعے وہ کسی نہ کسی درجے میں اپنی رقم کو ان اثرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ مثلاً

ا: وہ اپنی رقم کو شراکت یا مضاربت کی بنیاد پر کسی کاروبار میں لگا سکتا ہے۔

ب: وہ سونا، چاندی یا کوئی اور مستحکم کرنسی خرید کر رکھ سکتا ہے۔

ج: وہ اس مال سے کوئی زمین یا جائیداد خرید کر رکھ سکتا ہے۔

د: وہ اس رقم کو اپنے کاروبار کی توسیع میں استعمال کر سکتا ہے۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب اس کے پاس اپنی رقم کو افراطِ زر اور تخفیف قدر زر کے اثرات سے بچانے کے شرعی طور پر جائز راستے موجود ہیں تو اسے یہ راستہ اختیار کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے جس میں واضح طور پر ربا میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہے۔

۳۔ بینکوں میں قرضوں کی انڈیکسیشن کا معاملہ مروجہ نظامِ بینکاری میں سود کی معروف متبادل اساس کے طور پر رائج بھی نہیں ہو سکتا، جس کی کئی وجوہ ہیں۔

ا۔ یہ کس طرح تعین کیا جائے گا کہ افراطِ زر اور تخفیف قدر زر کی شرح انڈیکسیشن کی شرح کا مساوی ہے کیونکہ ان کے مابین عدم مساوات کی صورت میں تو صریحاً سود کا قوی اندیشہ ہے کیونکہ اس کے جواز کے قائلین بھی اسے تلافی قرار دیتے ہیں نہ کہ نفع بصورت سود۔ اگر انڈیکسیشن کی شرح افراطِ زر وغیرہ سے زیادہ ہو تو یہ سیدھا سیدھا سود ہوگا۔

ب۔ اگر یہ دونوں شرحیں برابر ہوں تو کیا بینک جن قرض داروں سے قرض حاصل کرتا ہے ان کو انڈیکسیشن کی صورت میں تلافی نہیں دے گا؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ اصول اس کے کھاتہ داروں پر بھی لاگو ہوگا تو اس صورت میں بھلا بینک کے لیے کیا کشش رہ جاتی ہے کہ وہ جس قدر رقم انڈیکسیشن کی صورت میں قرضہ داروں سے وصول کرے اسی قدر رقم اپنے کھاتہ داروں کو ادا کر دے۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے بھاری بھرکم اخراجات کیسے پورے گا؟

۴۔ انڈیکسیشن کے جواز کے قائلین کی نظر "لَا تُظْلَمُوْنَ" کی طرف تو گئی ہے لیکن "لَا تَظْلِمُوْنَ" کی طرف نہیں گئی کیونکہ اگر بالفرض کوئی ایک لاکھ روپے بطور قرض لیتا ہے اور انڈیکسیشن کی شرح 12% سالانہ مقرر ہو جاتی ہے۔ اس طرح دو سال بعد اسے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے ادا کرنا ہوں گے جبکہ روپے کی قدر یا قوت خرید تو کم ہو کر چھہتر ہزار روپے رہ گئی ہو گی۔ لہٰذا یوں اس انڈیکسیشن کی صورت میں قرض خواہ پر اضافی ادائیگی کا بوجھ ڈالنا "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" کی ہی صورت بن جائے گا کیونکہ یہ اس کے لیے دوہرا نقصان ہوگا۔ ایک تو وہ بطور مقروض رأس المال میں افراطِ زر وغیرہ کی صورت میں ہونے والی کمی کا نقصان خود برداشت کرے اور دوسرا قرض خواہ کی اصل رقم یعنی رأس المال کی قوت خرید میں پیدا ہونے والی کمی کا بھی ازالہ کرے گا جبکہ اصلاً وہ اس کمی یا نقصان کا ذمہ دار نہ ہے۔ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرض کی واپسی میں جنس اور مقدار میں برابری ضروری ہوتی ہے کہ جتنا اور جیسا لیا تھا اتنا ہی اور ویسا ہی واپس کرنا ہوگا۔ قیمت اور قوت خرید میں برابری اور تناسب ضروری نہیں۔ لہٰذا قرضوں کی واپسی میں جنس اور مقدار فیصلہ کن عامل ہیں نہ کہ قوت خرید۔ جبکہ قرضوں کی انڈیکسیشن کے تصور کی بنیاد ہی یہی ہے کہ قرض دار جنس اور مقدار میں برابری کی بجائے قوت خرید میں برابری اور مثلیث کی بنیاد پر قرض کی واپسی کرے۔

فقہاء نے قرض کی تعریف یوں کی ہے:

هو عقد مخصوص ، يرد على دفع مال مثلى لأخر ليرد مثله و صح فى مثلى لا فى غير ...... ما يكال أو يوزن أو يعد متقاربًا فصح استقرض جوز و بيض۔ (الدر المختار، كتاب البيوع ، فصل فى القرض، جلد ٧،ص ٤٠٦)

قرض ایک معاہدہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو مال مثلی دیتا ہے اور لینے والا ادائیگی کے وقت اس کی مثل واپس کرتا ہے قرض لین دین مال مثلی میں صحیح ہے اور غیر مثلی میں صحیح نہیں ہے...... (مال مثلی وہ ہے) جسے ماپا اور تولا جا سکتا ہے یا جس کی مقدار گننے سے معلوم کی جا سکتی ہو بشرطیکہ اس کی اکائیاں مقدار میں ایک دوسرے سے زیادہ متفاوت نہ ہوں بلکہ قریب قریب ہوں مثلاً اخروٹ اور انڈے۔ لہٰذا یہ وہ دلائل ہیں جن کی بنیاد پر ہم قرضوں کی انڈیکسیشن کو نہ تو شرعاً جائز سمجھتے ہیں اور نہ ہی بینکوں کے لیے قابلِ عمل۔

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ "قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 فیصل آباد" میں

28 فروری تا 5 مارچ 2016ء (بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

مبتدی و ملتزم تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے

نوٹ ملتزم تربیتی کورس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔

رفقاء اِن موضوعات پر دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں:

☆ جہاد فی سبیل اللہ ☆ اسلام کا انقلابی منشور

اور

امراء و نقباء تربیتی و مشاورتی اجتماع

4 تا 6 مارچ 2016ء (بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار)

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اور امراء و نقباء متعلقہ پروگرام میں شریک ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0321-9620418 041-2624290,2420490

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: (042)36316638-36366638

The Zika Virus and The Parrots

Of late, there has been a lot of hue and cry in the media and among NGOs in Pakistan regarding 'early and child marriages' in Pakistan. One has to understand that by 'early marriage', these sources refer to marriages of women under the age of 18. We believe that leaving adolescent teenage men and women open to choosing 'alternative' methods of sexual gratification, including the encouragement of the use of contraceptives and 'offering' them the motive to indulge in fornication sans marriage not only violates the basic Islamic principles of morality and righteousness, but also leaves them exposed to various kinds of medical issues, the spread of Zika virus being just the latest threat.

The virus - a once rare disease confined to the depths of subtropical Africa - was first identified in Uganda in 1947. Since then, the unbridled access to ways of sexual gratification among the men and women of the West, has been a major reason for the exponential increase in the spread of this virus and its medical consequences. The Zika virus is an "arbovirus" - spread by mosquitoes and belongs to the same family as dengue fever and the chikungunya virus. According to findings submitted in a latest report of the WHO, the virus has spread to more than 23 countries, has infected 3-4 million people in the Americas alone and has the potential of becoming a severe global pandemic. The biggest concern expressed in the report is Microcephaly, a birth defect being associated to women who have been infected by the virus. It is caused by below normal brain development in utero and hence resulting in babies being born with the birth defect having a below-average head size often caused by failure of the baby's brain to grow at a healthy and normal rate. Many countries are urging, with some countries even banning, women from becoming pregnant and having babies. An illustration of the means of spreading the virus is shown below:

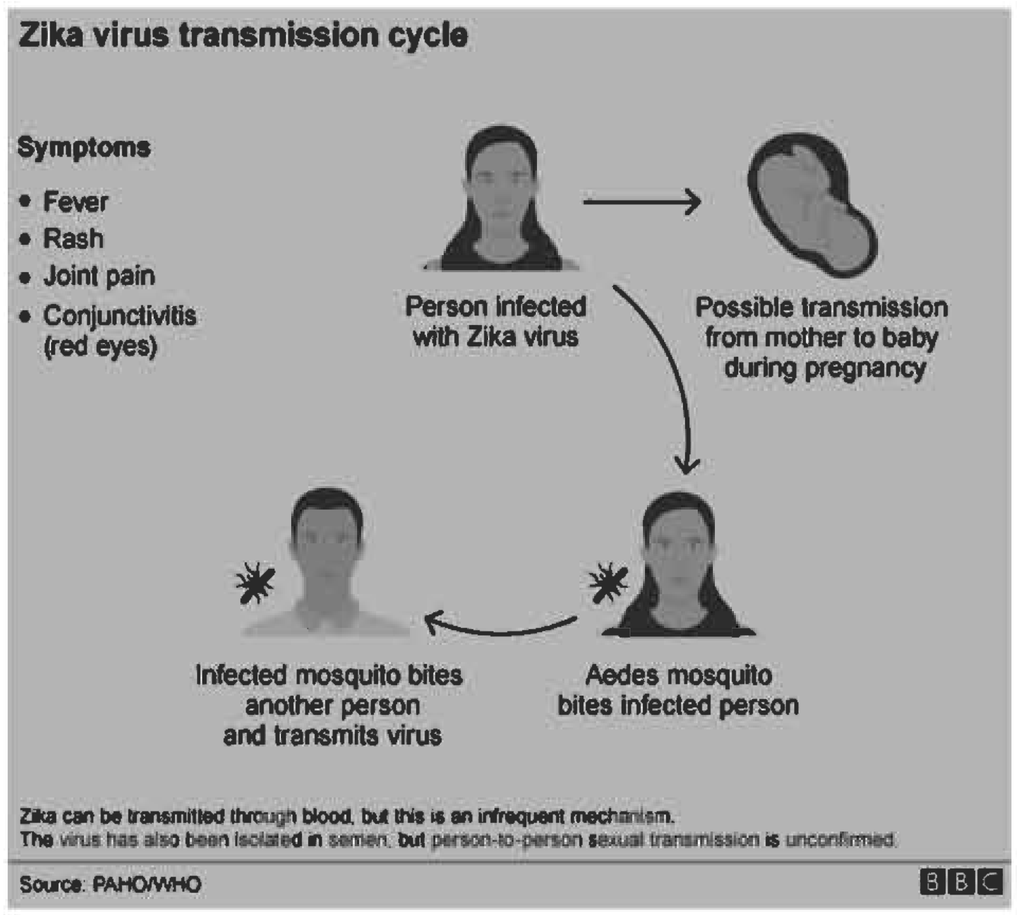

Many Latin American countries including Brazil, which has the highest number of prostitutes and homosexuals, and Columbia, which has the highest number of teenage pregnancies outside of marriage, have been hit the hardest by the virus.

In our considered opinion, the pandemic, among other ways, can chiefly be controlled and eventually eliminated by encouraging men and women to bond in the traditional institution of marriage as well as by encouraging adolescent teenagers to marry instead of helping them seek 'alternative' ways for sexual gratification. The question is, will our media and the NGOs now consider it as an option for disease control rather than parroting their 'no marriage before18' rhetoric?

(By the Nida-e-Khilafat Team)

VOL : 25 Regd. C.P.L NO. 114 No.06

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

Acefyl Cough Syrup
Acefylline + Diphenhydramine

بچوں اور بڑوں کیلئے

Say Goodbye to Cough

Acefyl Cough Offers

- Bronchial smooth muscle relaxation
- Improved mucociliary clearance
- Anti-inflammatory effects
- Effective symptom relief from SAR
- Negligible gastric irritation
- Suitable treatment for patients of all age groups

Superior Nasal Decongestant

- Diphenhydramine is the 2nd highest prescribed antihistamine
- Provided clinically & statistically significant reductions in all symptoms of SAR, including nasal congestion vs placebo & desloratadine
- The superior relief that it offers for treating rhinitis without a separate decongestant should strongly be considered by physicians

Dosage	
Infants:	(4-12 months) ¼ teaspoonful 3 times daily
Children:	½-1 teaspoonful 3 - 4 times daily
Adults:	1-2 teaspoonful 3 - 4 times daily

Composition	120 ml bottle
Each 5ml contains	
Acefylline Piperazine	45 mg
Diphenhydramine HCl	8 mg

Full prescribing information is available on request

PHARMA

NABIQASIM INDUSTRIES (PVT) LTD

5th Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road, Karachi-Pakistan

Email: info@nabiqasim.com website: www.nabiqasim.com UAN 111-742-762

your Health our Devotion